چند روز امریکہ میں

سفر امریکہ کی مختصر روداد اور آٹھ روزہ قیام کے دوران کیے گئے خطابات کا مجموعہ

بلال عبد الحی حسنی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

جنوری ۲۰۲۶ء-شعبان المعظم ۱۴۴۷ھ

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

کتاب: چندروز امریکہ میں

مصنف: بلال عبدالحی حسنی ندوی

مرتب: محمد ارمغان بدایونی ندوی

تعداد اشاعت: ۱۱۰۰

صفحات: ۱۹۲

قیمت: Rs.160/-

ملنے کے پتے:

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

پیش لفظ ۴

مختصر روداد سفر ۶

تعمیر مسجد اور اس کے تقاضے ۲۹

اصحابِ مدارس اور اہل دعوت کی ذمہ داریاں ۴۱

سعی پیہم اور جہد مسلسل کی ضرورت ۵۶

مکمل دین پر مکمل عمل کا مطالبہ ۶۷

زندگی کا بنیادی مقصد ۷۲

امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری ۷۹

ایک شان امتیازی پیدا کیجیے ۱۰

دعوت کا صحیح مفہوم اور اس کے تقاضے ۱۱۱

اتمام دین، اتمام نعمت اور اس کے تقاضے ۱۲۹

اختتامی درس شمائل ترمذی ۱۴۴

زمانہ کا حقیقی خلا ۱۵۸

بقائے انفع کا بے لاگ قانون ۱۷۲

ایک اہم اور فکر انگیز انٹرویو ۱۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

یہ امریکہ میں آٹھ نو روزہ قیام کی مختصر روداد بھی ہے اور اس دوران کی گئی تقریروں کا مجموعہ بھی، گزشتہ رجب کے اواخر میں یہ سفر ہوا تھا، اس کے داعی محبّ گرامی مولانا مفتی فوزان ندوی حفظہ اللہ تھے اور اس کی تحریک عزیز گرامی مولوی سفیان حیدر آبادی ندوی سلمہ اللہ نے کی تھی، اصل قیام شکاگو میں رہا اور زیادہ تر پروگرام وہیں ہوئے، اس کے علاوہ تین چار شہروں میں اور بھی پروگرام ہوئے، اس بہانے امریکہ کو دیکھنے کا موقع ملا، ایک بحر ظلمات کا تصور تھا، لیکن دیکھ کر لگا کہ جگہ جگہ ایمان کی قندیلیں روشن ہیں اور اللہ کے بندے اپنے مشن میں لگے ہوئے ہیں، جگہ جگہ مدارس بھی ہیں، تبلیغ کی بھی اچھی محنت ہوتی ہے، دیوبند اور ندوہ کے فارغین کی خاصی تعداد ہے جو تعلیم اور دعوت میں لگی ہوئی ہے۔

امریکہ کی خارجہ پالیسی جو بھی ہو لیکن داخلہ پالیسی غنیمت ہے، کام کرنے والے آزاد ہیں، اکادکا یہودی بھی اسلام میں داخل ہوتے ہیں، اللہ کا فضل ہے کہ یورپ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، مشہور مصنفہ زیغ ریدھونکہ نے اپنی کتاب کا عنوان ہی ”شمس الاسلام تسطع علیٰ الغرب“ (اسلام کا سورج یورپ میں طلوع ہو رہا ہے) رکھا۔ کاش کہ یہ ایک حقیقت ثابت ہو اور دنیا میں اسلام کا سورج اپنی کرنیں بکھیرے، حدیث میں اس کا تذکرہ بھی ہے کہ کوئی گھر کچا پکا نہیں بچے گا جہاں اسلام داخل نہ ہو۔

امریکہ میں کی گئی تقریروں کا ایک مشترک موضوع یہ تھا کہ امریکہ دنیا کو ٹکنالوجی تقسیم کر رہا ہے، کاش کہ وہ ہدایت اور ایمان تقسیم کرے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب

مسلمان اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں، اپنی زندگی سے صحیح اور مکمل اسلام کا نمونہ پیش کریں اور کوئی نیا اسلام وجود میں نہ آجائے۔

ان تقریروں میں بڑی تعداد اردو داں حضرات کی ہوتی تھی، اس لیے تقریریں اردو ہی میں کی گئیں اور انگریزی میں ان کے ترجمے پیش کیے گئے۔

یہ تقریریں ریکارڈ کر لی گئیں، یہ کام عزیز گرامی قدر میاں عمر نشاط سلمہ نے کیا اور بڑی محبت اور فکرمندی سے کیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اگر وہ اس کا اہتمام نہ کرتے تو یہ مجموعہ سامنے نہیں آسکتا تھا۔

سفر سے واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ عزیز القدر مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ اللہ نے ان کو قلم بند کرنا شروع کر دیا ہے، شروع میں تردد ہوا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں جن کی روشنی میں اکثر گفتگو کی گئی تھی، ''نئی دنیا امریکہ سے صاف صاف باتیں'' بار بار طبع ہو چکی ہے، پھر خیال ہوا کہ حالات بہت بدل چکے ہیں، ممکن ہے کہ پڑھنے والوں کو کچھ فائدہ ہو جو اس گنہگار کے لیے ذخیرۂ آخرت ہو، اس لیے یہ کام مکمل کر لیا گیا، شروع میں مختصر روداد سفر بھی شامل کر دی گئی۔ اب یہ مکمل کتاب ناظرین کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔

راقم ان سب عزیزوں کا دل سے مشکور ہے جو اس کی اشاعت کا سبب بنے، عزیز گرامی بھائی عمر نشاط نے تقریریں صرف محفوظ نہیں کیں بلکہ ان کو ہندوستان بھیجنے کا بھی اہتمام کیا۔ عزیز القدر مولوی محمد ارمغان بدایونی ندوی سلمہ نے بڑی دل سوزی سے ان کو قلم بند کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے، اس سے پہلے وہ دسیوں تقریروں اور دروس کو مرتب کر کے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور اس مجموعہ کو قبول فرمائے اور مفید بنائے۔ آمین!

بلال عبدالحی حسنی ندوی

(دائرۂ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں، رائے بریلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر روداد سفر

اواخر نومبر کی کوئی تاریخ تھی، عزیزی مولوی سلیمان ندوی حیدر آبادی کا فون آیا کہ امریکہ کے شہر شکاگو (Chicago) میں ایک مسجد کا افتتاح ہے، اس کے ذمہ دار اس سلسلے میں آپ کو مدعو کرنا چاہتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ مسجد ایک کلیسا کو خرید کر تیار کی گئی ہے اور یہ امریکہ و یورپ میں عام بات ہے، نہ جانے کتنے کلیسا مسجدوں میں تبدیل ہوئے، شاید اس میں امریکہ کے اس قانون کا بھی دخل ہے کہ کسی مذہبی مقام کو دوسرے کسی کام کے لیے استعمال کرنے کی اجازت نہیں، اگر فروخت کرنا بھی ہے تو کسی مذہب کے لوگ اس کو اپنے مذہبی کام کے لیے لے سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک ندوی فاضل مولانا مفتی فوزان ندوی اس کے ذمہ دار ہیں، ان کا اور ان کے والد کا ہردوئی سے بڑا تعلق رہا ہے اور انہوں نے ساؤتھ امریکہ (South America) میں ''دعوۃ الحق'' کے نام سے ایک مرکز بھی بنا رکھا ہے، اس لیے وہ ''مسجد الابرار'' کے نام سے اس کا افتتاح کرانا چاہتے ہیں۔

مجھے ابتداء میں تردد ہوا، مگر گھر کے بڑوں نے سفر کی رائے دی، برادر محترم مولانا جعفر صاحبؒ نے خاص طور پر سفر کی تائید کی اور برادر مکرم مولانا سید عمار حسنی صاحب نے بھی سفر کی تاکید کی، کارروائی شروع کی گئی تو اس میں بڑی طوالت محسوس ہوئی جو

اللہ نے آسان فرمائی اور ویزے (Visa) کا حصول خلافِ معمول بڑی سہولت سے ہوگیا۔ راقم نے اپنے مشاغل کی وجہ سے اوائل فروری کا وقت دیا جو داعیوں نے منظور کرلیا، یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ عزیز القدر مولوی مبشر کولا بھی رفاقت کے لیے تیار ہیں، انہوں نے دو دفعہ ویزہ (Visa) حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر اللہ کا حکم نہیں تھا، اللہ نے اس کا دوسرا انتظام یہ فرمایا کہ محترمی جناب نور میاں اور ان کے فرزند محمد میاں جو کناڈا سے ہندوستان آئے ہوئے تھے، انہوں نے سفر میں رفاقت کا فیصلہ کرلیا، یہ طے ہوا کہ براہ ابوظبی سفر کیا جائے، وہاں امیگریشن (Immigration) میں سہولتیں ہیں، ہمارے دونوں عزیزوں نے ابوظبی سے ساتھ ہوجانے کا نظام طے کیا اور یہ دونوں ہندوستان سے دبئی تشریف لے گئے۔

جناب نور میاں صاحب کی ہم سے قرابت بھی ہے، ان کی والدہ سے والد کے انتقال کے بعد ہمارے والد کے ماموں نے عقد کیا تھا، ان کی پہلی اہلیہ سے بھی اولادیں تھیں، پھر ان کی دوسری اہلیہ سے بھی اولادیں ہوئیں اور دوسری اہلیہ کے پہلے شوہر سے بھی اولاد تھی، اس طرح نور میاں ہمارے والد کے ماموں زاد بھائیوں کے اخیافی بھائی ہیں، اللہ نے بڑا دینی ذوق، معمولات کی پابندی اور خدمت کا جذبہ عطا فرمایا ہے جو ان کے فرزند محمد میاں میں پوری طرح موجود ہے اور ان کے والد کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ وہ کئی سال سعودی عرب میں ملازمت کرتے رہے، اب سالوں سے کینیڈا میں اپنے پورے دینی تشخص کے ساتھ مقیم ہیں۔

لکھنؤ سے دہلی اور دہلی سے ابوظبی اور وہاں سے شکاگو کی Connecting Flight تھی، لکھنؤ سے مجھے تنہا ہی سفر کرنا تھا، مگر عزیز القدر مولوی مبشر نے یہ مشکل بھی آسان کردی اور انہوں نے دبئی سے رائے بریلی آکر ابوظبی تک رفاقت کا فیصلہ کرلیا۔

یہ سارا نظام طے ہو چکا تھا اور سفر میں تین ہفتے باقی تھے کہ اچانک وہ حادثہ پیش آیا جس نے سارے منصوبوں کو زیر وزبر کردیا، بدھ کے دن 15؍جنوری کی شام کو میں لکھنؤ سے رائے بریلی کے لیے نکلا ہی تھا کہ برادر محترم مولانا جعفر صاحبؒ کے حادثہ کی خبر آئی جس نے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیا اور لگا کہ شاید اب یہ سفر نہ ہو سکے گا، لیکن برادر محترم مولانا عمار صاحب اور ہمارے ندوہ کے اہم رفیق کار مولانا اسماعیل بھولا صاحب وغیرہ کی رائے سفر کی ہوئی، پھر مفتی فوزان صاحب نے تقاضا کیا اور یہ خیال بھی ہوا کہ خود جعفر بھائی مرحوم کا تقاضا سفر کا تھا اور سفر کے لیے سارے انتظامات ہو چکے ہیں اور اس پر میزبانوں نے بہت خرچ کیا ہے، اس لیے سفر کر لینا ہی بہتر ہے۔

5؍فروری 2025ء کو رائے بریلی سے سفر کا آغاز ہوا، عزیزی مبشر الحمد للہ 4؍کی شام کو پہنچ گئے، ان کو سفر کے بڑے تجربات ہیں اور وہ اس ناچیز سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور ہمیشہ راحت پہنچانے کی فکر میں رہتے ہیں اور راقم کو ان سے خصوصی مناسبت ہے، انہوں نے ضیاء العلوم میں پڑھا، ندوہ سے فراغت کی، لیکن شروع سے ان کا جو تعلق تھا وہ قائم رہا اور دو سال پہلے امارات اور حجاز کے ایک سفر میں پندرہ روزہ رفاقت نے اس میں اور اضافہ کردیا، ان کے آجانے سے بڑی مسرت ہوئی اور ایک طرح کی بے فکری بھی۔

لکھنؤ سے **Air India** سے دہلی کے لیے روانگی ہوئی، دہلی سے ”اتحاد ایئر ویز“ شکاگو تک تھی، میزبانوں کی مہربانی تھی کہ انہوں نے **Business Class** کا ٹکٹ لیا تھا، اس لیے بڑی سہولت رہی، ورنہ ابوظہبی سے شکاگو سفر جو سولہ گھنٹے کا تھا آسان نہیں تھا، ابوظہبی تک مبشر کا ساتھ رہا، وہاں نور میاں اور محمد میاں تشریف لے آئے، اس لیے کہیں اجنبیت کا احساس نہیں ہوا، فلائٹ ابوظہبی سے 5؍اور 6؍فروری کی درمیانی شب میں 4؍بجے روانہ ہوئی، بڑا مسئلہ نمازوں کا تھا، محمد میاں بھی سفر کے تجربات رکھتے ہیں، انہوں نے راقم کو یہ کہہ کر ہلکا کردیا کہ آپ فکر نہ کریں، نماز فجر کا

وقت ہوگا تو ہم بتا دیں گے، وہ کئی گھنٹے گذرنے کے بعد آئے، چونکہ اتحاد کی فلائٹ میں نماز کے لیے جگہ تھی، اس لیے اطمینان سے نماز ہوگئی، شاید ذرا سی سپیدی نمودار ہوئی ہوگی، بس اس کے بعد پھر سورج پیچھے ہوگیا اور تاریکی بڑھ گئی، شکاگو پہنچنے سے دو گھنٹے پہلے تک بالکل اندھیرا رہا، جب شکاگو کے ایرپورٹ پر جہاز اترا تو سورج نکل چکا تھا اور وہاں صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ شکاگو امریکہ کا ایک اہم شہر ہے جو اس کی ریاست **Illinois** میں واقع ہے، مسلمانوں کی بڑی تعداد یہاں مقیم ہے، شاید اکثریت حیدرآبادی مسلمانوں کی ہے۔

ایرپورٹ پر اتر کر کچھ کرنا نہیں پڑا، **immigration** کی کارروائی ابوظہی میں ہوچکی تھی، ہم لوگ باہر کی طرف بڑھے، ابھی باہر نکلے نہیں تھے کہ نشاط بھائی کے فرزند بھائی عمر پر نگاہ پڑی، ان کے ساتھ معید الحق صاحب بھی تھے، ساتھ ہی مولوی محمد یوسف ندوی کناڈا کے موجود تھے، مصافحہ ومعانقہ ہوا، ان لوگوں کو دیکھ کر آدھا تکان دور ہوگیا، ہمارے اصل میزبان مفتی فوزان صاحب بھی آچکے تھے، باہر نکلے اور قیام گاہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

عزیز القدر میاں عمر صاحب ہمارے بہت ہی محترم اور فاضل بزرگ جناب ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحبؒ کے فرزند ہیں اور تعلیم کے سلسلے میں امریکہ میں مقیم ہیں، از راہِ محبت وہ سفر کر کے شکاگو آگئے اور پورے سفر میں ساتھ رہنے کا ارادہ کرلیا، ہمارے لیے یہ بڑی تقویت اور مسرت کی بات تھی۔ معید الحق صاحب بڑے فاضل اور دین دار شخص ہیں، نشاط بھائی کے ساتھ امریکہ آئے اور یہیں رہ پڑے، تقریباً پچاس سال ان کو یہاں گذر گئے۔ **1977**ء میں جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا رابع صاحبؒ امریکہ تشریف لائے تھے، اس وقت معید الحق صاحب نے ان حضرات کے ساتھ وقت گذارا تھا، پھر نشاط صاحب کی توجہ سے

حضرت کے بعض کتب ورسائل کا انگریزی ترجمہ بھی کیا۔عزیز گرامی مولوی محمد ندوی گجرات کے رہنے والے ہیں، اب کینیڈا میں اپنے والد صاحب کے ساتھ مقیم ہیں، ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندویؒ اور حضرت مولانا واضح رشید صاحبؒ سے بڑا گہرا تعلق رہا، بڑے صالح اور دینی جذبہ رکھنے والے عالم ہیں۔

یہ سب حضرات بڑی محبت وتعلق سے ملے۔ بھائی فوزان صاحب سے ہماری بظاہر یہ پہلی ملاقات تھی، ہوسکتا ہے ندوۃ العلماء میں تعلیم کے دوران ملے ہوں مگر مجھے یاد نہیں، ان کو امریکہ میں تیس سال ہورہے ہیں، وہ ماشاء اللہ بڑے فعال اور دینی فکر رکھنے والے نظر آئے، وہ ایرپورٹ سے اپنے گھر لے گئے، نماز پڑھی، کھانا کھایا، وہیں کچھ دیر آرام کیا، مفتی فوزان صاحب کے والد جناب سیف الرحمٰن صاحب بڑے دین دار اور متشرع بزرگ ہیں، حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ سے تعلق رہا ہے، مفتی صاحب کے فرزند عزیزی حمدان بھی بڑا دینی وعلمی ذوق رکھنے والے نوجوان نظر آئے۔

مغرب کی نماز قریب کی ایک چھوٹی مسجد میں ادا کی پھر اپنے مستقر پر آگئے، ایک مستقل مکان انھوں نے دس دن کے لیے لے رکھا ہے جس میں ساری سہولیات ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اہل تعلق ساتھ ہیں، اس لیے بڑی راحت ہے۔ یہاں آتے ہی عزیزی محمد میاں اور عزیز عمر نے سارا نظام سنبھال لیا، مکان میں کئی کمرے ہیں، اس لیے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

رات کا کھانا کسی تعلق والے کے یہاں سے آیا جو بڑی وافر مقدار میں تھا اور اس میں ہمارے مزاج ومذاق کی پوری رعایت تھی، کھانے میں آٹھ دس لوگ تھے، مختلف موضوعات پر گفتگو رہی، پیام انسانیت کے کام کا بھی ذکر ہوا، عمران وزیر صاحب نے بڑے تاثر کا اظہار کیا، یہ جناب عثمان وزیر صاحب کے فرزند ہیں، عثمان صاحب ہمیشہ جدہ میں رہے، حضرت مولاناؒ اس دور میں جب بھی حجاز تشریف لائے، وہ بڑے اہتمام

سے ملتے، ان کے فرزند عمران صاحب عرصے سے امریکہ میں مقیم ہیں، انہوں نے پیام انسانیت کے کام کو بہت سراہا اور وقت کی ضرورت قرار دیا اور کہا کہ بعض نوجوان یہاں کام کرتے ہیں، تھوڑی دیر میں آٹھ دس نوجوان آ گئے جو مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے، اکثر اردو سمجھتے تھے، راقم نے کام کی مزید وضاحت کی، انہوں نے بھی اپنی کارگزاری سنائی، خوشی ہوئی کہ اس اہم کام کا لوگوں کو احساس ہے، یقیناً یہ دلوں کو کھینچنے والا کام ہے، اگر تسلسل کے ساتھ وسیع پیمانہ پر کیا جائے تو حالات کی تبدیلی مشکل نہیں۔

تکان بہت تھا، اس لیے آرام کیا، دوسرے دن جمعہ سے پروگراموں کا سلسلہ تھا، اس کا آغاز ''مسجد الابرار'' کے افتتاح سے ہوا، ہم لوگ وقت پر پہنچ گئے، معلوم ہوا کہ یہاں دو طرح کی مساجد ہیں، بعض مسجدوں میں خطبہ انگریزی میں ہوتا ہے اور بعض مسجدوں میں خطبہ اصل عربی ہی میں ہوتا ہے اور انگریزی میں خطاب ہوتا ہے، اردو داں طبقہ بڑی تعداد میں تھا، اس لیے رائے یہی ہوئی کہ پہلے اردو میں تقریر ہو، انگریزی میں خلاصہ پیش کر دیا جائے، پھر مختصر خطبہ عربی ہو۔﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسَى أُوْلَـئِكَ أَن يَكُونُواْ مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾ کی آیت کو موضوع بنا کر خطاب ہوا پھر مختصر عربی خطبہ اور نماز ہوئی اور ہم لوگ واپس ہوئے۔

6؍فروری کو دوسرا پروگرام ''دار السلام'' میں تھا جو شکاگو کا ایک اہم مدرسہ ہے اور اس کو یہیں کے نوجوانوں نے بڑوں کی سرپرستی میں قائم کیا ہے، مدرسہ دیکھ کر بڑی مسرت اور حیرت ہوئی، عالی شان مسجد اور مدرسہ جس میں دورہ تک کی تعلیم بھی ہے اور پھر وہاں کے تقاضوں کا پورا لحاظ بھی، تعلیم کے مختلف مراحل ہیں اور مختلف طبقات کے لیے تعلیم و تربیت کا اچھا انتظام ہے۔

ڈاکٹر مصباح الدین صاحب انجینئر ہیں، انہوں نے اپنے دو بیٹوں (مفتی عظیم

الدین اور مفتی منہاج الدین) کو عالم بنایا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ سے بڑا تعلق رہا ہے، ان کے مشورے سے کام کرتے رہے، بڑے دین دار اور جری ہیں، مدرسہ کے ایک نوجوان استاد سے ترکی میں ملاقات ہوئی تھی، وہ بڑی محبت سے ملے، پورا مدرسہ دکھایا اور عشاء بعد خطاب ہوا، جس میں عوام وخواص اور طلبہ کی اچھی خاصی تعداد تھی، خطاب کے بعد وہیں کھانے کا نظم تھا، کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ انجینئر صاحب تشریف لے آئے، عمر ستر اسّی کے بیچ میں ہوگی، بڑا روشن چہرہ اور بڑے عزم وارادہ کے مالک نظر آتے ہیں، بڑی مسرت کا اظہار کیا اور محبت سے ملے، فارغ ہوکر ہم لوگ قیام گاہ واپس ہوئے۔

اس مدرسہ میں مختلف کورسز ہیں، عربی میں ان کے نام سب "تفعیل" کے وزن پر ہیں؛ سات سالہ عالمیت کا کورس ''تکمیل'' کہلاتا ہے۔ حفظ کے نظام کو ''تحفیظ'' کا نام دیا گیا ہے۔ ایک سالہ Arabic & Islamic Stuidies کا نام ''تنویر'' رکھا گیا ہے۔ اسلامک اسکولوں کے نظام کو ''تدریس'' کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ عام اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لیے الگ کورس تیار کیا گیا ہے۔ اس کو ''تفہیم'' کا نام دیا گیا ہے۔

8ر فروری کو دن میں Unity Islamic Center میں پروگرام تھا، علماء وائمہ سے خطاب کرنا تھا، گیارہ بجے کے قریب جلسہ گاہ پہنچے، تو اہم لوگ کرسیوں پر نظر آئے، ہمارے قریب ایک بزرگ تشریف فرما تھے، بڑی محبت سے ملے، معلوم ہوا کہ لاہور کی شاہی مسجد کے امام اور وہاں کی رؤیت ہلال کمیٹی کے ذمہ دار مولانا عبدالخبیر آزاد ہیں، موصوف مولانا عبدالقادر آزاد کے فرزند ہیں، سامنے کی نشستوں پر جن کو میں پہچانتا تھا، ان میں مولانا یاسر ندیم الواجدی نظر آئے جو اس وقت بڑا کام کررہے ہیں۔ سینٹر کے ذمہ دار ڈاکٹر اخلاص انصاری صاحب ہیں جو بڑے فکر و درد رکھنے

والے عالم ہیں، ہمارا سفر دو مسجدوں کے افتتاح کے لیے ہوا ہے، جن میں دوسری مسجد اسی سینٹر کے زیر اہتمام ڈاکٹر اخلاص صاحب نے تیار کی ہے جس کا افتتاح اگلے جمعہ کو ہونا ہے، آج دن میں انہوں نے ایک مخصوص پروگرام شکاگو کے علماء وذمہ داران کے لیے ترتیب دیا ہے۔

راقم کی گفتگو جاری ہی تھی کہ ایک بزرگ تشریف لائے، ان کو اسٹیج پر بٹھایا گیا، عمر نوے کے آس پاس ہوگی، بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر عظمت اللہ قادری صاحب ہیں، حضرت مولاناؒ نے جب 1977ء میں امریکہ کا سفر کیا تھا تو ڈاکٹر صاحب بھی میزبانوں میں تھے، حضرت ان کے گھر ٹھہرے بھی تھے، بڑی محبت سے ملے، وہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے امریکہ میں دینی فکر وشعور کا بیج ڈالا ہے۔

نماز ظہر ''مکی مسجد'' میں ادا کرنی تھی جہاں مفتی عبدالستار صاحب نے پروگرام ترتیب دے رکھا تھا، وہاں ایک مدرسہ بھی ''فلاح دارین'' کے نام سے قائم ہے، یونٹی اسلامک سینٹر کا پروگرام کچھ طویل ہوا، اس لیے مسجد پہنچنے میں تاخیر ہوئی، نماز ہو چکی تھی، اپنی نماز ادا کی، مختصر خطاب ہوا، کھانا کھانے کے بعد قیام گاہ پر واپس آنا تھا، مگر مولانا یاسر ندیم نے جو کھانے میں بھی ساتھ تھے ''برہان اکیڈمی'' دکھانے کا منصوبہ بنایا۔

یاسر ندیم صاحب مولانا ندیم الواجدی کے فرزند اور مولانا واجد الرحمٰن صاحب کے حفید سعید ہیں، رسوخ فی العلم کے ساتھ انگریزی پر بھی بھرپور قدرت رکھتے ہیں، موجودہ دور میں جب کہ شکوک وشبہات ذہنوں میں پیدا کیے جا رہے ہیں' وہ ایک آہنی دیوار بنے ہوئے ہیں، جدید ذرائع ابلاغ کا وہ اس کے لیے پورا استعمال کرتے ہیں، نئی نسل کو سنبھالنے میں ان کا اہم کردار ہے۔

پہلے وہ مدرسہ میں پڑھاتے تھے، اب انہوں نے ''برہان اکیڈمی'' کے نام سے ایک اسکول شروع کیا ہے، اللہ نے ان کی بڑی مدد فرمائی، عیسائیوں کا ایک بڑا اسکول

چل نہیں سکا، وہ انہوں نے خرید لیا، بنا بنایا، تمام سہولتوں سے لیس، راستہ طویل تھا مگر پہنچ کر خوشی ہوئی، اپنے رقبے اور عمارتوں کے لحاظ سے بڑا کالج معلوم ہوتا تھا، وہاں پہنچے تو برف باری ہونے لگی تھی، مگر انہوں نے اسکول کی مختلف عمارتیں دکھائیں، امریکہ میں ان جیسے اسکولوں کی شدید ضرورت ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ وہاں کے علماء کو اس ضرورت کا احساس ہے، اللہ تعالیٰ وہاں اسلام کی آبیاری فرمائے۔ راقم نے اکثر تقریروں میں یہ بات کہی کہ امریکہ ٹیکنالوجی میں بہت آگے ہے اور دنیا کو وہ یہ چیزیں سپلائی کرتا ہے، کیا بعید ہے کہ یہاں سے ایمان واخلاق کی دولت تقسیم ہو، اگر ہمارے علماء واہل دین اور مسلمانوں نے صحیح نمونہ پیش کیا تو کچھ بعید نہیں کہ مادیت کا مرکز اخلاق وروحانیت تقسیم کرنے والا بن جائے۔

مستقر پر واپسی ہوئی، خاصی تاخیر ہو چکی تھی، نماز سے فارغ ہوئے، کچھ آرام کیا، عشاء بعد شالیمار ہوٹل میں فنڈ ریزنگ (fund raising) پروگرام میں جانا تھا، وہاں عام طور پر اداروں کے پروگراموں میں فنڈ اکٹھا کرنے کے لیے یہ پروگرام بھی شامل ہوتا ہے، اس کا خاص طریقہ ہوتا ہے جس کی تفصیل میں سمجھ نہیں سکا، اولاً اس پروگرام کے لیے معذرت کی گئی تھی، مگر میزبانوں نے کہا کہ تمہیں صرف اصلاحی بات کرنی ہے، حاضر ہو کر راقم نے کچھ گفتگو کی اور واپسی ہوئی۔

رات کا کھانا جناب معید الحق صاحب کے گھر تھا، وہ انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، لیکن بزرگوں کے فیض یافتہ بڑے دین دار، ظاہری وضع قطع سے بھی عالم باعمل معلوم ہوتے ہیں، انہوں نے کھانے میں بڑا اہتمام کیا، ذبیحہ کا بھی اب وہاں خاص اہتمام ہے، حضرت مولاناؒ کے سفر کی روداد جو حضرت مولانا رابع صاحبؒ نے مرتب فرمائی ہے، ”دو مہینے امریکہ میں“ کے نام سے وہ چھپی ہے، اس کو پڑھ کر کھانے کی دشواریوں کا بڑا احساس تھا، مگر اب دنیا بدلی ہوئی ہے، بڑے بڑے ادارے ہیں، مسجدیں ہیں، مسلمانوں

کی صرف شکاگو میں لاکھوں کی تعداد ہے اوران کے لیے ہر طرح کی سہولتیں ہیں، نصف صدی میں بڑی اسلامی بیداری پیدا ہوئی ہے، بڑی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے ہیں، "شمس الإسلام تطلع علىٰ الغرب" کی تصویر نظر آتی ہے، مگر اب خطرات کے بادل بھی منڈلانے لگے ہیں، مسلمانوں کا خوف (Islamophobia) پیدا کر کے کچھ پابندیاں بھی عائد کی جا رہی ہیں، مسلمانوں کو بھی اس سلسلے میں بڑی حکمت وبصیرت کے ساتھ آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔

9/کی صبح سیاٹل (Seattle) جانا ہے، مولانا احمد عبدالمجیب ندوی سفر کے داعی ہیں، مولانا موصوف بڑے صاحبِ علم' جذبہ رکھنے والے ندوی فاضل ہیں، کئی دہائیوں سے وہیں مقیم ہیں اور تعلیم ودعوت کے میدان میں بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، جناب معید الحق صاحب فجر کے وقت قیام گاہ پر تشریف لے آئے، ایرپورٹ لے گئے، سفر میں مفتی فوزان صاحب اور عزیزی محمد میاں ساتھ ہیں جن سے بڑی راحت ہے، ظہر کے آس پاس سیاٹل پہنچے، مولانا احمد عبدالمجیب صاحب ایرپورٹ پر موجود تھے، ان کے ساتھ ایک بزرگ صفت' بزرگ صورت شخصیت بھی تھی، انہوں نے اپنا نام تیمور حسنی بتایا، بہت محبت سے ملے اور بار بار تعلق کا اظہار کرتے رہے، احمد عبدالمجیب صاحب گھر پہنچے، نماز سے فراغت کے بعد کھانا ہوا، تیمور صاحب کا اصرار ہوا کہ ان کے داماد امان اللہ صاحب کا گھر قریب ہے' قیلولہ وہیں ہو، وہاں کچھ دیر آرام ہوا، شام کو پروگرام مسجد میں تھا، جہاں احمد عبدالمجیب صاحب امام ہیں۔

یہ علاقہ ٹکنالوجی اور کمپیوٹرس کے دفاتر کا ہے اور اس کا بڑا Hub ہے، شام میں مسجد (Bellevai) میں پروگرام ہوا، حسبِ معمول خطاب اردو میں ہوا اور انگریزی میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔

10/فروری کی صبح نیویارک (New York) جانا تھا، رفقاء کے ساتھ سیاٹل

ایرپورٹ سے روانگی ہوئی، نیووَرک(New Work) ایرپورٹ پر اترے، یہ نیویارک سے قریب ہی ایک دوسرا ایرپورٹ ہے، یہ سفر مفتی نعمان وزیر صاحب کی دعوت پر تھا، وہ ایرپورٹ پر موجود تھے، یہاں نیچے اترتے ہی ایرپورٹ کے اندر ہی محترمی جناب عثمان صاحب حیدرآبادی پر نظر پڑی، وہ صرف از راہِ محبت ایک روز ساتھ رہنے کے لیے گھنٹوں کا سفر کر کے تشریف لائے اور دوسرے دن نیویارک ایرپورٹ پر رخصت کر کے تشریف لے گئے۔

عثمان بھائی کی شخصیت ہم لوگوں کے لیے بہت محبوب ہے، وہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے محبّ اور خدمت گذار رہے ہیں، حضرت کے اخیر کے پندرہ بیس سالوں میں وہ جس طرح بیرونی سفروں میں ساتھ رہے اور حضرت مولانا کو ان سے جو راحت ملی، وہ سب جانتے ہیں، حضرت بھی ان سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کو دیکھ کر پرانی یادیں تازہ ہوگئیں، ہم ان ہی کی گاڑی پر ان کے ساتھ بیٹھ کر قیام گاہ کے لیے روانہ ہوئے، راستہ بھر وہ پرانی باتوں کا تذکرہ کرتے رہے، حضرت کا تذکرہ کرتے، بار بار آب دیدہ ہو جاتے تھے، نیویارک کے ایک روزہ قیام میں وہ اپنی پیرانہ سالی اور کمزوری کے باوجود ساتھ رہے اور بڑی محبت کا معاملہ فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے۔

قیام ''محمدی مسجد'' کے مہمان خانے میں ہوا جو بڑا وسیع اور آرام دہ ہے، یہیں بعد عشاء پروگرام تھا، مغرب کے بعد نیوجرسی (New Jersey) کے شریعہ بورڈ جانا ہوا، مولانا نعمان وزیر صاحب اس کے ذمہ داروں میں ہیں، کئی نوجوان علماء وہاں خدمت میں مصروف ہیں، یہ یہاں کی بڑی ضرورت پوری کر رہا ہے۔

عشاء بعد ''محمدی مسجد'' میں پروگرام ہوا، معمول کے مطابق خطاب اردو میں ہوا اور انگریزی میں اس کا ترجمہ پیش کیا گیا، رات قیام کر کے صبح نیویارک ایرپورٹ سے

ریاست فلوریڈا(Florida) کے لیے روانگی ہوئی، یہاں آرلنڈو(Orlando) میں دوروز قیام ہے اور یہ سفر محبّ گرامی مولانا طارق رشید فرنگی محلی کی دعوت پر ہوا جو تقریباً تیس سالوں سے یہاں مقیم ہیں اور دینی ودعوتی سرگرمیوں میں مشغول ہیں۔

Islamic Center of Orlandoان کا بڑا کارنامہ ہے،اس سینٹر کے تحت ایک بہت وسیع اور خوبصورت مسجد انہوں نے تعمیر کرائی ہے، جس میں دعوتی مرکز بھی بنایا ہے،شروع سے وہ دعوتی کام میں لگے ہوئے ہیں، نہ جانے کتنے لوگوں کو اللہ نے ان کے ذریعہ سے ہدایت نصیب فرمائی، ابھی اس بڑی نوتعمیر شدہ مسجد کا افتتاح نہیں ہوسکا ہے، جو قانونی رکاوٹیں ہیں، امید ہے ایک آدھ ہفتہ میں وہ دور ہوجائیں گی، قدیم مسجد میں ہی نمازیں ہوتی رہیں اور اسی مسجد میں دونوں دن بعد عشاء پروگرام بھی ہوئے۔

قیام مولانا طارق رشید صاحب کے گھر میں ہوا، لکھنؤ کی بوباس وہاں ملی، کھانا بھی خالص لکھنوی، ان کا گھر بھی خاصا کشادہ اور آرام دہ ہے، یہاں سب رفقاء جمع ہوگئے، نورمیاں بھی تشریف لے آئے، عمر اور مولوی محمد ندوی کناڈا والے بھی آگئے اور مولوی عبداللہ بھٹکلی ندوی بھی دودن کی رفاقت کے لیے پہنچ گئے۔

مولانا طارق رشید صاحب فرنگی محل کے اس عظیم خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا علمی دنیا پر بڑا احسان ہے، ملا نظام الدین سہالوی کا ''درس نظامی'' دنیا میں آج بھی رائج ہے، اس خاندان میں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، اخیر دور میں علامہ عبد الحی فرنگی محلیؒ اس خاندان کے چشم وچراغ تھے جنہوں نے علمی دنیا میں ایک نمایاں مقام پایا، صرف 39/سال کی عمر پائی اور سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں، ان کی متعدد کتابیں عالم عربی میں علماء عرب کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ شائع ہوتی ہیں، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ کی تصنیفات کو اپنا موضوع بنایا اور بڑے اہتمام سے ان کو شائع کیا۔

مولانا نعیم صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے والد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کے استاذ تھے، ان کی اولاد میں مولانا فاخر میاںؒ نے اپنے فرزند مولوی ابوالحسن کو ندوۃ العلماء میں تعلیم دلوائی، مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی (امام عیدگاہ لکھنؤ) نے اپنے دو صاحب زادوں کو تعلیم کے لیے ندوہ بھیجا، ان میں بڑے ہمارے مولانا طارق ہیں اور چھوٹے مولانا خالد رشید فرنگی محلی ہیں جو اپنے والد کے جانشین ہوئے، اب وہی امام عیدگاہ بھی ہیں، رؤیت ہلال کمیٹی لکھنؤ کے ذمہ دار بھی، قائدین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

دو دن بڑے آرام کے گذرے، شکاگو، سیاٹل اور نیویارک کے سخت سرد موسم کے بعد یہاں کے معتدل موسم میں بڑا لطف آیا، طارق رشید صاحب کی محبت واپنائیت نے یہ لطف دوبالا کر دیا، محبت کرنے والے رفقاء نے مزید اس میں مٹھاس پیدا کر دی۔

بھائی طارق نے شہر بھی دکھایا اور خاص طور پر وہاں کی تاریخی چیزوں کی سیر کرائی، تفصیل کا تو وقت نہیں تھا مگر وہ دنیا کی بڑی سیر گاہ ہے، اس کا انہوں نے تعارف کرایا۔

سینٹر کے تحت چلنے والے اسکول بھی جانا ہوا، تعلیم ہو رہی تھی، بڑی خوشی ہوئی کہ وہاں کی مادّی دنیا میں ایمان کی آبیاری ہو رہی ہے اور اس کے لیے کوششیں جاری ہیں، بھائی طارق کا ارادہ مدرسہ کے قیام کا بھی ہے، سینٹر کے لیے انہوں نے بڑی اراضی حاصل کر رکھی ہے، وہ بھی انہوں نے دکھائی، دل سے ان کے لیے دعا نکلی، وہ بڑے علمی ودینی خاندان کے چشم وچراغ ہیں اور دینی ذوق لیے ہوئے کام میں مشغول ہیں۔

مولانا طارق رشید صاحب جس کالونی میں رہتے ہیں، وہ بہت اہم اور پڑھے لکھے لوگوں کی کالونی ہے، مسجد کی صفوں میں معلوم ہوا کہ دو صفیں تو صرف ڈاکٹروں کی ہوتی ہیں، عیسائی اور یہودی بھی بڑی تعداد میں اس کالونی میں موجود ہیں، ہفتہ میں ایک روز بھائی طارق صاحب کی خصوصی مجلس ہوتی ہے، جس میں ہر طرح کے لوگ

آتے ہیں اور طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں اور اپنی پیاس بجھاتے ہیں، یہ سن کر مسرت بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ بعض یہودی بھی اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔

دو دن آرلنڈو میں گذرے اور دونوں دن بعد عشاء جامع مسجد میں خطابات کا نظام رہا، جن میں وہاں کی صورت حال کو سامنے رکھ کر گفتگو کی گئی، مولانا طارق صاحب کو انگریزی پر بڑی قدرت ہے، خطابات کے ترجمے خود انہوں نے کیے۔

13رفروری کو رفقاء کے ساتھ شکاگو واپسی ہوئی، ایک روز پہلے وہاں بڑی برف باری ہوئی تھی، پورا شکاگو برف سے سپید ہو رہا تھا، قیام گاہ پہنچ کر آرام کیا، عشاء میں مولانا عبد اللہ سلیم صاحب کے یہاں پروگرام تھا، ان کے Institute of Islamic Education کی مسجد میں جس کا نام ''مسجد الاسلام'' ہے پروگرام ہوا، وہاں ''شمائل ترمذی'' کا ختم تھا، اسی موضوع پر گفتگو رہی، رات کا کھانا بھی وہیں ہوا، بڑی شفقت ومحبت فرمائی۔ دوسرے دن جمعہ کو Unity Islamic Center کی مسجد کا افتتاح تھا، مولانا مفتی اخلاص صاحب کا اخلاص وفکر اس میں شامل ہے، ہم لوگ جمعہ سے پہلے پہنچ گئے، اردو میں خطاب ہوا، انگریزی میں اس کا خلاصہ پیش کیا گیا، ناچیز نے عربی میں خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ یہ امریکہ کا آخری دن ہے، رفقاء کی رائے ہوئی کہ ہم لوگ شکاگو کے مضافات میں ہیں، اصل شہر Downtown کو بھی دیکھنا چاہیے تا کہ وہاں کی اصل ثقافت وتہذیب بھی سامنے آئے، عصر سے پہلے نکلے، راستے میں ایک مسجد میں عصر کی نماز اپنی جماعت کے ساتھ ادا کی، معلوم ہوا کہ وہ مسجد ترکوں کی تعمیر کردہ ہے، ایک عجیب چیز وہاں یہ بھی نظر آئی کہ مسجد ہی کے احاطے میں ایک کمرہ بچوں کے کھیل کود کے لیے بھی تھا اور اس میں Electronic Games کی بھی ساری سہولتیں تھیں، مسجد کے ماحول سے اس کا کوئی جوڑ نظر نہ آیا، لوگوں نے وجہِ جواز یہ بتائی کہ نوجوانوں اور بچوں کو راغب کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی ہے، اس

میں چونکہ منکرات کی بھی شکلیں تھیں، اس لیے یہ چیز مناسب نہ معلوم ہوئی، اسلام اور اس کی تعلیمات خود اپنی جگہ ایسی کشش رکھنے والی چیزیں ہیں کہ اگر وہ اپنی اصلی صورت حقیقت کے ساتھ سامنے آجائیں تو کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں پھر اللہ کا دین بہت غنی ہے، یہ بنیادی اصول پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ جس طرح مقاصد کا درست ہونا ضروری ہے، اسی طرح وسائل کا درست ہونا بھی ضروری ہے۔ نماز پڑھ کر ہم لوگ آگے بڑھے۔

یہ مختلف افکار وخیالات کا ملک ہے، اس کے مظاہر مختلف صورتوں میں سامنے آئے، معلوم ہوا کہ ایک مسجد صرف جمعہ کو کھولی جاتی ہے اور لوگوں کا تصور یہ ہے کہ صرف جمعہ ہی فرض ہے، اگر وہاں کوئی دوسری نماز پڑھنے آئے تو اس کو واپس کر دیا جاتا ہے، یہ بھی پتہ چلا کہ ایک طبقہ صرف صبح وشام کی نماز کا قائل ہے، اس کے علاوہ بھی عجیب وغریب تصورات وافکار اور عقائد سامنے آئے۔ ہمارے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پچاس سال پہلے بڑی تاکید سے فرما گئے تھے کہ یہاں کہیں نیا اسلام وجود میں نہ آجائے، اس کی بڑی نگہداشت کی ضرورت ہے، اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حالات کے رخ کو پھیر دیتا ہے اور سماج کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے، اس میں اگر تبدیلی کی جائے تو اسلام باقی نہیں رہتا۔

یہاں سے ہم لوگوں نے **Downtown** کا رخ کیا، فلک بوس عمارتوں کا سلسلہ نظر آیا، اسی میں وہ طویل ترین عمارت بھی تھی جو ایک تاریخ بن گئی ہے، ایک سو تین منزلہ اس عمارت میں لوگ اوپر جاتے ہیں اور دنیا کا نظارہ کرتے ہیں، ہم کو بھی لوگ تماشابینی کے لیے اوپر لے گئے، وہاں جا کر دنیا کی بے حقیقتی سامنے آئی، وہ قصہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد رابع صاحبؒ کے ساتھ ہم مکہ مکرمہ کے کسی ٹاور میں تھے، مولانا نیچے دیکھ رہے تھے فرمانے لگے: دیکھو معلوم ہوتا ہے انسان نہیں چیونٹیاں چل رہی ہیں اور اوپر سے دیکھو تو دنیا کی حقیقت اس قادر مطلق کی نگاہ میں

ایک ذرہ بھی نہیں، ایک اشارہ اس کے فنا کے لیے کافی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس طویل القامت ٹاور (Sears Tower) کا خاکہ ایک مسلمان نے تیار کیا تھا، غالباً حفظ الرحمٰن اس کا نام تھا، اس کی نگرانی میں یہ کام مکمل ہوا، اس ٹاور میں تصاویر کے ذریعہ شکاگو کی تاریخ بھی دکھائی گئی ہے، اس میں ایک دلچسپ چیز نظر آئی کہ کسی گائے نے اپنے پاؤں سے چراغ الٹ دیا، جس سے ایسی آگ لگی کہ بہت کچھ جل کر خاک ہو گیا، عرصے تک وہاں کے باشندے گائے کے دشمن بن گئے، سب گائیں ماردی گئیں، بعد میں کسی صاحبِ فہم نے رائے دی کہ وہ کسی ایک گائے کا کام تھا، وہ بھی جانور بے عقل، اس کی وجہ سے اور گایوں کو کیوں مارا جاتا ہے؟ وہاں سے یہ سلسلہ موقوف ہوا۔

بلند قامت اس عمارت کی سیر میں مفتی فوزان، ان کے فرزند عزیزی حمدان، ان کے علاوہ وہاں کی اہم مسجد کے امام مولانا موسیٰ بھی تھے، وہ اہم لوگوں کی آمد پر ان کے گائڈ رہتے ہیں اور بڑی معلومات رکھتے ہیں، اپنے وقت میں رئیس شؤون الحرمین شیخ صالح حصین کا انہوں نے قصہ سنایا کہ جب وہ امریکہ آئے تو ان کو سرکاری پروٹوکول دیا گیا، وہ وزیر کا درجہ رکھتے تھے مگر ان میں انتہائی سادگی تھی، وہ فلائٹ سے اترے اور تیزی سے آگے بڑھ گئے، موسیٰ صاحب نے بتایا کہ ان کی سادگی کو دیکھ کر لوگ متاثر ہوئے۔ ہمارے حضرت مولاناؒ سے ان کا بڑا گہرا تعلق تھا، حضرت کی ایک کتاب غالباً ''رجال الفکر والدعوۃ'' کا کوئی حصہ انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں چھاپ کر تقسیم کیا اور اس کی رائلٹی حضرت مولانا کو ارسال کی، مولانا عبداللہ عباس صاحبؒ واسطہ تھے، حضرت نے پوری رقم فوراً واپس کرائی۔

امام موسیٰ صاحب نے دوسری عجیب بات یہ بتائی کہ امریکہ میں (غالباً شکاگو میں) عیسائی پادریوں کی ایک بڑی کانفرنس ہوئی، اس میں انہوں نے دو مسلمان علماء کو بھی بلایا، ان میں خود مولانا موسیٰ صاحب بھی تھے، کانفرنس کا اصل موضوع یہ تھا کہ

الحاد وارتداد کو کیسے کنٹرول کیا جائے، ان کا کہنا تھا کہ عیسائی تیزی کے ساتھ مذہب بے زار ہورہے ہیں، ان کے ایک ذمہ دار نے سوال کیا کہ کیا مسلمانوں میں بھی ارتداد کی یہی صورت حال ہے؟ اس پر مولانا موسیٰ نے کہا کہ واقعات تو پیش آتے ہیں لیکن جو صورت حال آپ عیسائیوں کی بتارہے ہیں، وہ تو الحمدللہ مسلمانوں میں نہیں ہے، انہوں نے اس پر سوال کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ مولانا موسیٰ نے کہا کہ ہم اس کا کوئی واضح جواب نہیں دے سکے۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اسلام کی کشش ہے، چونکہ یہ مذہب حق ہے اور قیامت تک کے لیے ہے اور اس میں پوری زندگی کا ایک ایسا خوبصورت لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے جو کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا تو جو اس کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے، وہ اسلام سے نہیں پھر سکتا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے یہی سوال کیا تھا کہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کیا نکل بھی جاتے ہیں؟ ابوسفیان نے صحیح صحیح جواب دیا کہ اب تک تو ایسا نہیں ہوا، تو اس پر ہرقل نے کہا کہ یہ مذہب حق ہونے کی دلیل ہے، یہ قصہ اس وقت کا ہے جب ابوسفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

ہم لوگ واپس ہوئے، نماز ادا کی، بعد عشاء یونٹی اسلامک سنٹر کی مسجد میں پھر خطاب تھا۔

یہ آخری شب تھی، خطاب کے بعد انٹرویو ہوا، یہ مسجد بھی پہلے کلیسا تھی، اس کو مسلمانوں نے خرید کر مسجد کی شکل دی، الحمدللہ نمازوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، عزیز گرامی مولوی سلیمان حیدرآبادی بھی آگئے تھے، یہ سفر ان ہی کی تحریک پر ہوا تھا، انہوں نے رائے بریلی میں ضیاء العلوم میں پڑھا پھر ندوۃ العلماء سے فارغ ہوکر امریکہ کے کسی شہر میں امام وخطیب ہیں، انگریزی عربی پر بھرپور قدرت ہے، بڑی خوبصورت تلاوت ہے، انہوں نے انٹرویو لیا، تاثرات بھی جاننے چاہے اور وہاں کے مسلمانوں کے لیے مشورے بھی لیے، اس گنہگار نے جو اللہ نے دل میں ڈالا وہ کہا،

اس کے بعد کھانا ہوا اور قیام گاہ واپسی ہوئی۔

دوسرے دن شکاگو کے ایرپورٹ سے براہ ابوظہبی واپسی تھی، نظام یہ طے ہوا کہ فجر کے بعد بھائی عبدالرشید صاحب حیدرآبادی کے فرزند بھائی طہٰ عبداللہ کے یہاں ناشتہ ہوگا، پھر وہیں سے ایرپورٹ روانگی ہوجائے گی۔

بھائی عبدالرشید صاحب کا ان انتہائی مخلصین میں شمار ہوتا ہے جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، حضرت کے مدینہ کے میزبان، وہ رائے بریلی آتے تو حضرت ان کو دیکھ کرکھل جاتے، حج کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے تقریباً چھ سال بار بار حاضری کا موقع ملا، مدینہ منورہ کے قیام میں بھائی عبدالرشید صاحب کی محبتیں' ضیافتیں کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں، حضرت مولانا رابع صاحبؒ، مولانا واضح صاحبؒ بھی اخیر میں مدینہ منورہ میں وہیں قیام فرماتے، وہ ہمارے حضرت مولانا رابع صاحبؒ کے مجاز بھی ہیں، پچاس سال حرمین شریفین کی خدمت کرتے رہے، ان کی سادہ زندگی سلف کی یاد تازہ کرتی ہے، ان کے غالباً دو فرزند امریکہ میں مقیم ہیں، انہوں نے اسی محبت واپنائیت کا معاملہ کیا، آکر ملتے رہے، ان کے گھر پر ناشتہ کے لیے حاضری ہوئی، ناشتہ بھی تھا اور کھانا بھی، ہم نے شکم سیر ہوکر اس نیت سے کھایا کہ جہاز پر نہ جانے کیا ہو، اب رات تک ضرورت نہ رہے۔

محترمی نور میاں کی شفقت بھلائی نہیں جاسکتی، صرف ہماری راحت کے لیے انہوں نے اپنے اور اپنے فرزند محمد میاں کے نظام سفر کو بدلا اور بجائے کینیڈا واپسی کے ہمارے ساتھ امریکہ آئے اور ایسا خیال رکھا کہ دل پر اس کا اثر ہے، ملاقات کے لیے ان کے سب فرزند کینیڈا سے امریکہ آئے اور ایک دن سب کا ساتھ رہا، سب ماشاء اللہ دینی مزاج لیے ہوئے، خدمت میں طاق اور محبت کرنے والے، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ہر طرح کے خیر وبرکت سے نوازے، یہ سب

ان کے والدمحترم کی تربیت کا نتیجہ نظر آیا۔

عزیزی عمر نشاط کا ساتھ بھلایا نہیں جاسکتا، پورے قیام میں انہوں نے جس محبت کے ساتھ خدمت کی، وہ نا قابل فراموش ہے، انہوں نے اپنے والد صاحب کی یادتازہ کردی، وہ حضرت کے بڑے محبّ ومحبوب اور منظور نظر تھے، بڑے ذاکر شاغل اور یاد داشت والے آدمی تھے، انگریزی کے ماہر، ام القریٰ یونیورسٹی کے پروفیسر، لیکن اللہ کی یاد میں مستغرق اور دعوت وفکر کے میدان کے شہسوار اور حضرت کے مجاز بیعت، عمر نے وہی راستہ اختیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ دین ودنیا کی کامیابی ان کا مقدر بنائے۔ انہوں نے اور عزیزی محمد میاں نے ایسا خیال رکھا کہ ذرا محسوس نہیں ہونے دیا کہ ہم اجنبی ملک میں ہیں۔

شکاگو کے قیام ہی میں ایک روز مولانا سعید فیضی صاحب کینیڈا سے صرف ملنے کے لیے تشریف لائے، وہ قدیم ندوی فاضل ہیں، ندوہ کے استاذ الاساتذہ مولانا محبوب الرحمٰن ازہریؒ کے فرزند ہیں، سالوں سے کینیڈا میں دعوتی سرگرمیوں میں مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اس محبت پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہمارے رشتے کے چچا جناب سید محمد علی صاحب کے دونوں صاحب زادگان بھی سفر کرکے ملنے آئے، بڑے بھائی فرزند سید حسن صاحب برسوں سے وہیں مقیم ہیں مگر ساتھ تھے، ہم نے ان سے عشاء کی امامت کروائی، ماشاء اللہ تجوید کے ساتھ اچھے لہجہ میں قرآن پڑھا، دوسرے فرزند بھائی سہیل ندوی صاحب رائے بریلی ہی میں رہتے ہیں اور دارارقم پبلک اسکول کے ذمہ دار ہیں، وہ امریکہ اپنے بھائی سے ملنے آئے ہوئے تھے، دونوں بڑی محبت سے ملے اور ایک دن شکاگو قیام کرکے واپس ہوئے، ان کے والد محمد علی صاحب حضرت سید احمد شہیدؒ کے بھانجے کی اولاد میں سے ہیں، ٹونک ہی میں رہے، اخیر میں ریٹائر ہوکر رائے بریلی آگئے اور یہیں وفات ہوئی، ان

کے بڑے بھائی مولانا سید احمد علی صاحب، دارعرفات رائے بریلی کے ڈائیرکٹر تھے اور ہماری بڑی پھوپھی زاد بہن سے ان کی شادی ہوئی تھی، اب یہ سب اللہ کے حضور میں حاضر ہو چکے، اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے۔

اب سفر سے واپسی ہے، امریکہ ایک ہفتہ میں آدمی کیا دیکھ سکتا ہے، جہاں طویل طویل مسافتیں ہوں، جہاز سے چھ چھ سات سات گھنٹوں کا سفر کہ مسافر لکھنؤ سے جدہ پہنچ جائے، میزبانوں کا تقاضا کم از کم دو تین ہفتوں کا تھا، مگر آگے اہم پروگراموں کی وجہ سے واپسی ضروری تھی۔

سفر سے پہلے حضرت کا سفرنامہ امریکہ جو حضرت مولانا محمد رابع صاحبؒ کے قلم سے ہے، ہم پڑھ چکے تھے، اس کی بہت چیزیں آج بھی ویسے ہی ہیں جو پچاس سال قبل تھیں، وہاں کی شہری آبادی اور مکانات کے طرز کے بارے میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''امریکہ میں رہائشی تہذیب ایک ہی طرز کی ہے، بنگلے ہوں یا فلیٹ، ان کے فرش قالینوں سے ڈھکے ہوئے اور دیواریں یا تو خوبصورت کاغذ سے ڈھکی ہوئی یا آئل پینٹ سے پینٹ کی ہوئی ہوتی ہیں، بنگلے عموماً لکڑی کے بنے ہوتے ہیں، امریکہ کی اسّی فیصد آبادی ان ہی بنگلوں میں رہتی ہے، یہ شہر و دیہات میں ہر جگہ ضرورت کے مطابق پھیلے ہوئے ہیں، بلند اور فلک بوس عمارتیں ہر شہر کے صرف مرکزی علاقے میں ہوتی ہیں جس کو ڈاؤن ٹاؤن سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ شہر کے مضافات و باہری حصے اَپر ٹاؤن کہلاتے ہیں، اس طرح پر امریکہ کی تعمیراتی عظمت و شہری ہماہمی دیکھنے کے لیے شہر کے صرف ڈاؤن ٹاؤن میں چلا جانا کافی ہے، وہاں سب نظر آ جاتا ہے، رہے مشرق کے باقی حصے تو وہ عمومی حالات و کیفیات کے ہوتے ہیں جن کی مثال بآسانی مشرق کے شہروں میں مل سکتی ہے اور ان

میں غیر معمولی تمدنی امتیاز نہیں معلوم ہوتا۔‘‘ (دو مہینے امریکہ میں: ۳۳)

آج بھی طرز رہائش بالکل وہی ہے جو سطور بالا میں نقل کیا گیا۔

لیکن اب مسلمانوں کے لیے بڑی دشواری نہیں، حلال گوشت فراوانی سے ملتا ہے، جا بجا مسلمانوں کی دکانیں ہیں، مسجدوں کی بڑی تعداد ہے، مدرسے اور دینی مراکز بھی ہیں، دعوت وتبلیغ کا کام بھی اچھا ہے، معلوم ہوا کہ تبلیغی اجتماع ہونے والا ہے اور اس کی بڑی تیاری ہے، یہ آزادی شاید پچاس سال قبل نہیں تھی، الحمد للہ اب دنیا بدلی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ وہاں اسلام کی آبیاری فرمائے اور ہدایتِ عامہ کے فیصلے فرمائے۔

دن میں ڈیڑھ بجے فلائٹ تھی، ہم لوگ وقت سے دو تین گھنٹہ پہلے ایر پورٹ پہنچ گئے، اب چونکہ شکاگو سے ابوظبی سفر تنہا ہی کرنا ہے، اس لیے رفقاء نے وہیل چیئر کا انتظام مناسب سمجھا تا کہ کہیں دشواری نہ ہو، مصافحہ ومعانقہ کرکے ہم آگے بڑھے، رفقاء پر اس جدائی کا اثر دکھائی دیتا تھا، وہیل چیئر سے واقعی سہولت ہوئی، اس نے ہمیں لاؤنج تک پہنچادیا، چونکہ ٹکٹ بزنس کلاس کا تھا، اس لیے بھی آسانی ہوئی، کچھ دیر ہم نے وہاں انتظار کیا، پھر نماز کی جگہ تلاش کرنے باہر نکلے، ایک صاحب باریش نظر آئے، انہوں نے قبلہ بتادیا، ہم لاؤنج میں واپس آئے اور وہیں ہم نے رومال بچھا کر نماز پڑھی، اتنے میں جہاز کا وقت ہوگیا، ہم لاؤنج سے نکلے تو بیٹری کی گاڑی کھڑی تھی، اس نے ہمیں مطلوبہ دروازہ تک پہنچادیا اور الحمد للہ آسانی سے ہم جہاز تک پہنچ گئے اور کہیں بھی پریشانی نہیں ہوئی۔

جہاز کو ظہر کے وقت ہی اڑان بھرنی تھی اور تقریباً ظہر کے وقت ہی اس کے اترنے کا تھا مگر پورے ایک دن کا فرق تھا، ۱۵ر فروری بروز شنبہ ہم روانہ ہوئے اور ۱۶ر فروری اتوار کو ابوظبی پہنچے۔

ابوظبی میں عزیزی مبشر رفاقت کے لیے موجود تھے، وہاں سے ایک روز کے

لیے مسقط (عمان) ہوتے ہوئے واپسی تھی، امریکہ کے سفر سے پہلے ہی وہاں ایک سیمینار کا دعوت نامہ موصول ہوا تھا، عزیز گرامی مولوی اظہر ندوی اس میں پیش پیش تھے کہ سفر ضرور کیا جائے، ان کے اصرار پر سفر طے کرلیا گیا تھا، یہ بھی بڑا محرک تھا کہ سمینار کے داعی وہاں کے مفتی اعظم شیخ احمد خلیلی صاحب تھے جن کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور ہمارے والد صاحبؒ سے بڑا گہرا تعلق ہے، ان کو "روائع اقبال" اور "الاسلام الممتحن" کی عبارتیں کی عبارتیں یاد تھیں، مفتی صاحب اب بہت کمزور ہیں، لیکن ان کے داماد شیخ کہلان صاحب جو بڑے صاحب علم اور معتدل فکر و مزاج کے حامل ہیں، ان کے نائب ہیں اور وہی سمینار کے ذمہ دار ہیں، گذشتہ سفر عمان میں ان سے ملاقات ہوئی، انہوں نے بہت محبت و اکرام کا معاملہ کیا تھا، ہم لوگ عصر تک مسقط پہنچ گئے، ایرپورٹ پر استقبال کرنے والے موجود تھے، وہ سیدھے ہوٹل لے گئے، وہاں خواہر زادگان عزیزان عزیز القدر مولوی مفتی مسعود حسنی اور مولوی خلیل حسنی کو دیکھ کر تکان جاتا رہا، عزیزی مولوی اظہر اور بعض بھٹکلی اہل تعلق موجود تھے۔

طویل سفر، وقت کا فرق، تکان بہت تھا، ہوٹل میں کچھ دیر آرام ہوا، عزیزی مبشر کے برادر خورد عزیزی سہل ندوی بھی موجود تھے، ان سے طالب علمی کے زمانہ سے بڑی مؤانست رہی ہے، ان کے ساتھ رہنے سے بھی بڑی راحت ملی۔

معلوم ہوا کہ رات کا کھانا محترم جناب عبدالحمید صاحب کے یہاں ہے جو مسقط کی بڑی دین دار اور محبت کرنے والی شخصیت ہے، تکان کی وجہ سے آرام کا تقاضا تھا مگر ان کی محبت میں ان کے دولت خانہ حاضری ہوئی، معلوم ہوا کہ وہاں پورا جلسہ ہے، کئی اہم عمانی علماء و مشائخ موجود تھے، سب بڑی محبت سے ملے، راقم سطور نے مختصر عربی میں خطاب کیا، پھر کھانا ہوا اور آرام کے لیے ہوٹل واپسی ہوگئی، ۱۷ رفروری کو سمینار کی افتتاحی نشست ہے، اس کے بعد مقالات کی نشستیں ہیں، ہم نے پہلے وعدہ لے لیا تھا

کہ صرف افتتاحی نشست میں شرکت کرکے ہمیں واپس ہونا ہے۔

جب افتتاحی اجلاس میں شرکت کے لیے ہال میں داخل ہوئے تو مختلف ملکوں کے نمائندے موجود تھے، یونیورسٹیوں کے ذمہ دار اور دوسرے اہم لوگ نظر آئے، پروگرام کا شیڈول خوبصورت چھپا ہوا دیا گیا تو معلوم ہوا کہ شام کی مقالات کی ایک نشست میں راقم سطور کا نام بھی صدارت کرنے والوں میں شامل ہے، عزیزی اظہر کے ذریعہ سے معذرت کی گئی اور ہم لوگ ہوٹل واپس ہو گئے۔

جناب محترم عبدالحمید صاحب بڑے اہتمام سے کھانا لے کر آئے جس میں ہمارے ذوق کا بھی پورا خیال تھا، فارغ ہو کر کچھ آرام کیا۔

اسی اثناء میں عزیز مولوی اظہر صاحب نے شیخ کہلان' نائب مفتی اعظم سے ملاقات کا وقت طے کر لیا، ہم اپنے رفقاء کے ساتھ ان کے آفس میں حاضر ہوئے، وہاں اور بعض معزز مہمان ملاقات کے لیے منتظر تھے، جن میں امیر جماعت اسلامی ہند سید سعادت اللہ حسینی صاحب بھی تھے، کہلان صاحب آئے اور بڑی محبت سے ملے، کچھ گفتگو رہی، پھر ہم نے اجازت لی، وہ بہ اصرار گاڑی تک رخصت کرنے کے لیے آئے اور ہم لوگ ہوٹل واپس ہوئے، انشاءاللہ شب ہی میں لکھنؤ کی فلائٹ ہے۔

۱۸ر فروری کو صبح سات بجے کے قریب لکھنؤ کے ایرپورٹ پر فلائٹ اتری اور سفر مکمل ہوا۔﴿وَ لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ﴾

مسجد الابرار شکاگو
۷؍فروری ۲۰۲۵ء

تعمیر مسجد اور اس کے تقاضے

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وعلىٰ من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلىٰ يوم الدين أما بعد! فأعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّهِ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلاَّ اللّهَ فَعَسَى أُوْلَـئِكَ أَن يَكُونُواْ مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾ صدق الله العظيم.

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ اس نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرویا ہے، آپ کو شاید کسی دوسرے مذہب اور کسی دوسرے دین میں یہ امتیاز نظر نہیں آئے گا جو اسلام کا امتیاز ہے اور یہ ایسا امتیاز ہے کہ اس میں نہ علاقہ کا فرق ہے، نہ نسل کا فرق ہے، نہ گورے اور کالے کا فرق ہے، اسلام سب کو ایک لڑی میں پروتا ہے اور ایک جگہ پر جمع کرتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

(تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔)

ایمان ایک ایسی بنیاد ہے جو تمام مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرتی ہے، اس میں کوئی تفریق نہیں ہے، وہ کوئی بھی ہو، وہ کہیں کا رہنے والا ہو، وہ کسی نسل کا ہو، لیکن اگر وہ اسلام کی صحیح ترجمانی کرتا ہے تو سب سے بڑھ کر اللہ سے قریب ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید کے اندر یہ بات ارشاد فرماتا ہے کہ

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

(بلاشبہ اللہ کے یہاں تم میں سے بڑا عزت دار وہ ہے جو تم میں سب سے بڑا پرہیزگار ہو۔)

عزت کا معیار رنگ ونسل نہیں ہے، کہیں کا ہونا عزت کا معیار نہیں ہے، عزت کا معیار اسلام کی صحیح ترجمانی ہے، جو جتنا زیادہ حقیقت دین سے قریب ہوگا، اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی کو جذب کرلے گا اور اس کی زندگی حضور اقدس ﷺ کی زندگی کے مطابق ہوگی، وہ اتنا ہی زیادہ اللہ کے قریب ہوگا اور یہی اصل تقویٰ ہے۔ ہمارے بہت سے بھائی اس بات کو نہیں جانتے، وہ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ صرف ظاہری شکل وصورت کا نام ہے، یاد رکھئے! تقویٰ صرف ظاہری شکل وصورت کا نام نہیں ہے، یقیناً یہ بھی تقویٰ کا ایک اہم مظہر ہے اور یہ بھی ضروری ہے، لیکن تقویٰ اصل دل کا نام ہے، دل کی اس کیفیت کا اور دل کے اس بن جانے کا جس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

”التقویٰ ها هنا وأشار إلیٰ صدره ثلاث مرات“(مسلم: ٦٧٠٦)

(تقویٰ یہاں ہے اور آپ ﷺ نے تین مرتبہ سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔)

اللہ کا دل کے اندر خوف وخشیت پیدا ہو، یہ اصل تقویٰ ہے اور یہی ہماری زندگی کا اصل محور ہونا چاہیے۔ میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کی، اس میں اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اصل تعمیر مسجد یہ نہیں ہے کہ آدمی

ڈھانچہ کھڑا کر دے، یقیناً یہ بھی ایک بڑے اجر وثواب کی چیز ہے، حدیث میں آتا ہے:

"من بنی للہ مسجداً بنی اللہ له بیتاً فی الجنة"(الترمذی: ۳۱۹)

(جو اللہ کے لیے اس کا گھر بناتا ہے' اللہ جنت میں اس کا گھر بنائیں گے۔)

لیکن جس چیز کو قرآن مجید تعمیر مسجد کہتا ہے وہ یہ ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلاَةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ فَعَسَى أُوْلَـئِكَ أَن يَكُونُواْ مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ (التوبة: ۱۸)

(اللہ کی مسجدوں کو آباد تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور انھوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو ایسے ہی لوگوں کے بارے میں امید ہے کہ وہ صحیح راستہ پر ہوں گے۔)

تعمیر مسجد اصل یہ ہے کہ دل کی تعمیر کی جائے، اللہ پر یقین ہو، آخرت پر یقین ہو اور ظاہری اعمال کا اہتمام ہو، اس کی دو اہم ترین جو بنیادیں ہیں اس کا ذکر ہے یعنی نماز اور زکوٰۃ کا، بدنی عبادت میں اعلیٰ ترین نماز ہے اور مالی عبادت میں اعلیٰ ترین زکوٰۃ ہے، ان دونوں کا تذکرہ کر کے گویا وضاحت ہے کہ آدمی اللہ کی بندگی کے ساتھ پروان چڑھے، ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی اس کا دھیان اللہ کی طرف ہو، نمازوں کا اہتمام، زکوٰۃ کا اہتمام اور اس سے بڑھ کر آخرت کا یقین اور اس سے بڑھ کر اللہ کا یقین، یہ وہ چیزیں ہیں جو اصل تعمیر مسجد سے تعلق رکھتی ہیں، پھر ایک بات اور فرمائی:

﴿وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ﴾ (اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔)

یعنی اللہ کی خشیت اور اس کا ڈر ہو، یہ اصلاً تعمیر مسجد ہے، مسجد تعمیر کر دی، اعلیٰ سے اعلیٰ مسجد بنا دی، خوبصورت سے خوبصورت آپ نے ایک بڑی مسجد تعمیر کر دی جو اپنی

مثال رکھتی ہو اور یہ ہمارے بادشاہوں نے کیا ہے، آپ ہندوستان جائیے تو آپ کو کیسی بڑی بڑی مسجدیں نظر آئیں گی، دنیا میں اس وقت مختلف ملکوں میں ایک دوڑ ہے، لوگ اعلیٰ سے اعلیٰ مسجدیں بناتے ہیں، لیکن اصل مقابلہ جو ہونا چاہیے وہ تعمیر مسجد کا ہونا چاہیے اور اس تعمیر مسجد کا تعلق اینٹ گارے سے نہیں ہے، اس کا تعلق ہمارے دل سے ہے، اس کا تعلق ہمارے اعمال سے ہے، اس کا تعلق ہماری کیفیات سے ہے، اس کا تعلق ہمارے اندرون سے ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جتنا قریب ہوگا، جتنا ہمارے اندر اللہ کا ڈر پیدا ہوگا، جتنا ہمارا عقیدہ مضبوط ہوگا، ہمارے اعمال کے اندر جتنی صلابت ہوگی اور باطنی کیفیات میں ہم جتنا زیادہ آگے بڑھیں گے، پھر جو قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ ہماری زندگی کیسی ہونی چاہیے، ہم جتنے زیادہ اس کے ترجمان ہوں گے، حقیقت میں یہ تعمیر مسجد ہے، اس میں سب عقائد اور عبادات ہیں۔

اسی طرح ہماری جو اخلاقی زندگی ہے اس کی بھی بڑی قیمت ہے، ہمیں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ جس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ ہماری اخلاقی زندگی ہے، ایک دوسرے سے اچھے روابط رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کرنا، یہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت ہمارے اندر جو غفلت ہے اس میں ہمیں ایک بہت بڑی چیز یہ نظر آتی ہے کہ بعض مرتبہ عقیدہ بھی ٹھیک ہے، عبادت کی حد تک اعمال بھی غنیمت ہیں، لیکن جو اخلاقی زندگی ہے اس میں بہت ناہمواریاں نظر آتی ہیں، اس میں نظر نہیں آتا کہ یہ مسلمان ہے، ہماری اخلاقی زندگی کیسی ہونی چاہیے اور اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ زندگی کیا تھا؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں یہ بات ارشاد فرمائی:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (القلم: ٤)

(اور یقیناً آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔)

اس کے علاوہ آپ ﷺ کے بارے میں کہا گیا:

﴿وَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)

(اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔)

سوچنے کی ضرورت ہے کہ آپ ﷺ کی سراپا رحمت جو زندگی ہے، اس زندگی کا کہاں تک ہم پر عکس ہے، اس کا کہاں تک ہم پر اثر ہے اور کہاں تک وہ چیزیں ہم follow کرتے ہیں اور اس کا اثر ہماری زندگی میں اس طرح نظر آتا ہے کہ لوگ ہمیں دیکھیں تو ہمیں دیکھ کر ان کو یہ اندازہ ہو کہ اللہ کے نبی ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں؟ میں آپ سے صاف کہتا ہوں اس وقت کا جو بہت بڑا المیہ ہے، جس کے نتیجہ میں آج اسلام بدنام ہو رہا ہے اور مسلمان بدنام ہو رہے ہیں اور میں ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ سرکار دو عالم حضرت محمد عربی ﷺ کی ذات اقدس پر لوگ زبانیں دراز کر رہے ہیں، اس کا بڑا سبب یہ ہماری بداعمالیاں ہیں، ہماری کون سی بداعمالیاں؟ وہ یہ کہ ہم مسجد میں ہیں تو ہم مسلمان ہیں، ہم مدرسوں میں جاتے ہیں تو ہم مسلمان ہیں، لیکن کیا کاروبار میں بھی ہم مسلمان ہیں؟ کیا سڑکوں میں، بازاروں میں، سواریوں میں چاہے ہم جہاز پر ہوں، چاہے گاڑیوں پر ہوں، یا public place پر ہوں، کیا وہاں ہم سچے اور حقیقی مسلمان ہیں؟ کیا ہماری زندگی اسلام کی ترجمانی کرتی ہے؟ یاد رکھئے! لوگ ہمیں مسجدوں میں نہیں دیکھتے، لوگ ہمیں بازاروں میں دیکھتے ہیں، لوگ ہمیں مختلف مقامات پر دیکھتے ہیں کہ وہاں ہماری زندگی کیا ہے؟ آج واقعہ یہ ہے کہ وہاں پر اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کا جو نمونہ ہماری زندگی سے جھلکنا چاہیے اس میں بہت کمی ہے۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ بات بھی تعمیر مسجد میں شامل ہے کہ ہم اپنی زندگی کی تعمیر کریں، مسجد کی تعمیر مبارک اور ہزار بار مبارک، یہ اسلام کے اور دین کے مراکز ہیں، یہ مسجدیں حقیقت میں اسلام کی ترجمانی کے لیے ہیں، اسلام کی تعلیم کے

لیے ہیں، یہاں نمازیں پڑھی جائیں، یہاں تلاوت ہو، یہاں تعلیم ہو، یہاں تعلیم وتبلیغ کے حلقے ہوں، اصل دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ جو معنوی کام ہیں، ان کا تعلق اصل مسجد سے ہے اور اس کے اثرات باہر کی زندگی میں پہنچنا ضروری ہیں۔ ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے، یہ مسجد جو ہم کو ایک ڈھانچہ نظر آرہا ہے، یہ ڈھانچہ ہمارے دل کے ڈھانچہ کو بنانے کے لیے ہے، یہ ڈھانچہ ہمارے اندرون کی تعمیر کے لیے ہے، یہ ڈھانچہ صرف اس لیے نہیں ہے کہ ہم مظاہرہ کریں کہ ہم نے ماشاء اللہ مسجد بنادی، مسجد بنانے والے تو بنادیتے ہیں، لیکن اگر خدانخواستہ من پاپی ہے تو پھر اس کے نتیجہ میں ہمارے سر تو جھکتے ہیں لیکن ہمارے دل اللہ کے سامنے نہیں جھکتے، ہمارے دماغوں میں اللہ کی طرف وہ شوق پیدا نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے، مسجدوں کا اصل مشن اور مسجدوں کا اصل پیغام یہ ہے کہ جو اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں زندگی دی، آپ نے جو ہمیں اپنی زندگی کا نمونہ دیا اور اس کا ذکر اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب: ۲۱)

(یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ موجود ہے۔)

اس نمونہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اپنی رائے سے اگر کسی کو نمونہ سمجھتے ہیں تو وہ نمونہ نہیں ہے، نمونہ وہ ہے جو نمونہ صحابہ نے سمجھا، نمونہ وہ ہے جو سلف نے سمجھا اور یہی اصل دین ہے، میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ صرف دلائل کا نہیں ہوتا، اصل مسئلہ تو فہم دلائل کا ہے، دلائل کو سمجھنا اور اس کی گہرائی تک جانا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو تعمیر کرنا' یہ اصل ہماری ذمہ داری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک ہمارے اندر تفقہ فی الدین کی وہ صلاحیت پیدا نہ ہو اور جب تک اپنی زندگی ہم اس کے لیے نہ کھپائیں اور یہ سمجھیں کہ ہم دین کو سمجھتے ہیں، یاد رکھئے! یہ بہت بڑی بھول ہے۔

دنیا میں یہی ہوتا ہے، آپ دیکھئے کہ کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی انجینئر ہے، کوئی کسی اور

شعبے میں جاتا ہے، اس میں وہ مہارت پیدا کرتا ہے، کسی کو اگر ضرورت ہوتی ہے تو اس کے ماہر کے پاس جاتا ہے، specialist کے پاس جاتا ہے، وہ کان کا ڈاکٹر ہے، وہ ناک کا ہے، وہ پیٹ کا ہے، پیٹ میں درد ہوگا تو آدمی ایسے ڈاکٹر کے پاس جائے گا جو پیٹ کا ماہر ہو، وہ کان کے ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتا، یہ دنیا کا نظام ہے۔ آپ یاد رکھئے! اللہ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے یہ ایک نظام زندگی اور ایک دستور حیات ہے، اس میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اس میں کیفیات بھی ہیں اور اعمال بھی، اس کے specialist ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں کھپائی ہیں اور ہمارے اسلام کی جو پوری تاریخ ہے اس تاریخ میں ایسے لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہے ہیں، کوئی دور ایسا خالی نہیں رہا کہ ایسے ماہرین پیدا نہ ہوئے ہوں جنہوں نے دین کی ترجمانی نہ کی ہو۔ حدیثوں میں اس کا تذکرہ آتا ہے کہ

"یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین." (کنز العمال: ۲۸۹۱۸)

(ہر نسل میں اس علم کے حامل ووارث ایسے عادل ومتقی لوگ ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب ودعوے اور جاہلوں کی دوراز کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔)

یہ سلسلہ ہمیشہ رہا ہے اور قیامت تک رہے گا، اللہ کا وعدہ ہے کہ جب قیامت آنی ہوگی تو دین مٹ جائے گا' ختم ہو جائے گا اور دین کے سمجھنے والے بھی ختم ہو جائیں گے۔ علم کیسے اٹھایا جائے گا؟ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دین علماء کے اٹھ جانے سے اٹھ جائے گا اور علم علماء کے اٹھ جانے سے اٹھ جائے گا، علماء کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جس کو ندوہ کی سند مل جائے، یا دیوبند کی سند مل جائے، حقیقت میں عالم وہ ہے جس کا دل اللہ کی خشیت سے لبریز ہو، جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ اللہ کے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے، آپ کے درد کا وارث ہے، آپ کے علم کا وارث ہے، آپ کے دین کا وارث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت اللہ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی کہ

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً﴾ (الكهف: ٦)

(بس اگر انھوں نے یہ بات نہ مانی تو لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان ہلکان کر دیں گے۔)

آپ کے اندر یہ جو ایک کڑھن تھی، ایک تڑپ تھی کہ اللہ کے یہ بندے اللہ سے قریب ہو جائیں، اللہ کو پہچان لیں، یہ تڑپ ہمارے جن علماء کے اندر پیدا ہوتی ہے، حقیقت میں وہ عالم کہلانے کے مستحق ہیں:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ٢٨)

(اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔)

جن علماء کے اندر اللہ کا ڈر ہوتا ہے وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتے، ان کو کسی چیز کا لالچ نہیں ہوتا، ان کے اندر درد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کو لے کر کھڑا ہونا ہے، اللہ کے دین کو لے کر لوگوں کے سامنے پہنچ کر ان کا ایک مزاج بنانا ہے، ایک نمونہ خود اپنی زندگی سے پیش کرنا ہے، اصل ہماری یہی ذمہ داری ہے اور یہی تعمیر مسجد ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

میں آپ سب کو اور اس مسجد کی تعمیر کرنے والوں کو مبارک باد دیتا ہوں، یہ پہلے ایک چرچ تھا، لیکن الحمد للہ ایک اللہ کی عبادت کے لیے اس کو خالص کیا گیا، یہ اللہ کی نعمت ہے کہ جہاں کئی کئی خداؤں کی پرستش ہوتی ہو، ایک گورکھ دھندہ ہو، تثلیث کا عقیدہ حقیقت میں ایک گورکھ دھندہ ہے کہ تین کے ایک اور ایک کے تین، یہ بات نہ سمجھنے کی اور نہ سمجھانے کی، اگر کوئی سمجھانا چاہے تو وہ سمجھا نہیں سکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ

توحید کے عقیدہ کو شرک کی نجاست سے آلودہ کیا گیا، اب الحمدللہ یہاں عقیدۂ توحید ہے، ایک اللہ کی پرستش ہے، اللہ کی یہ بہت بڑی نعمت ہے، ایسا کرنے والے یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام کے مستحق ہیں، پھر اس مسجد کا نام ''مسجد الابرار'' ہے، حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحبؒ ایک بڑے بزرگ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے آخری خلیفہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو احیائے سنت کا ایک عجیب ذوق عطا فرمایا تھا، یہ مسجد ان کے نام سے منسوب ہے، ہمیں امید ہے کہ یہاں سے احیائے سنت کا کام ہوگا، یہاں سے دعوۃ الحق کا کام ہوگا اور انشاء اللہ یہاں سے حق کی بات عام کی جائے گی۔

لیکن یاد رکھئے کہ اس کا بھی طریقہ ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے اس کا طریقہ رکھا، کیسی محبت کے ساتھ، کیسی شفقت کے ساتھ، کیسی حکمت کے ساتھ، کیسی بصیرت کے ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے دین رکھا، آج یہ ہماری ذمہ داری ہے، آج ہم اس ملک میں رہتے ہیں، اس ملک کی پوری دنیا پر جو فرماں روائی ہے، اگر یہاں کے لوگ یہ طے کرلیں کہ ہم کو ایک نمونہ کی زندگی پیش کرنی ہے، ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام کیا ہے اور اسلام نے انسانیت کو کیا دیا؟ یہاں رہنے والے لوگوں کو اسلام سے کیا مل سکتا ہے؟ تو یقیناً اس کے اثرات پڑیں گے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے، یہ انسانی مزاج ہے کہ وہ فائدہ دیکھتا ہے، وہ یہ دیکھتا ہے کہ ہمیں کہاں سے کیا ملے گا؟ آج دنیا میں عام طور پر جو ایک بے چینی ہے، بالکل ایک بے سکونی کی کیفیت ہے، لوگ مختلف قسم کی پریشانیوں اور بے چینیوں میں مبتلا ہیں، اس کے نتیجہ میں اپنے ملک کے اندر میں دیکھتا ہوں کہ کوئی سکون کی تلاش میں کسی مٹھ کے آگے پڑا ہوا ہے اور کوئی کسی دریا کے کنارے کھڑا ہوا ہے، میں آپ سے کیا کہوں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سکون کی وہ دولت آپ کے سینوں میں رکھی ہے، یہاں کے رہنے والے اگر طے کرلیں کہ ہمیں اس ملک میں ایک نمونہ پیش کرنا ہے، کیا بعید ہے کہ آپ کا یہ عزم

وحوصلہ یہاں کے لوگوں کو ایک روشنی دے، جس سے عالم میں روشنی پھیلے، اس لیے کہ یہ وہ ملک ہے جو دنیا کو بہت کچھ دے رہا ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ جب یہاں تشریف لائے تھے تو مولانا نے ایک عجیب جملہ کہا کہ اس ملک کو میں آخری درجہ میں خوش قسمت سمجھتا ہوں لیکن آخری درجہ میں بدقسمت بھی سمجھتا ہوں، خوشقسمت اس لیے سمجھتا ہوں کہ یہاں سب کچھ ہے، یہاں ٹیکنالوجی ہے، یہاں انسانی ضروریات کو فراہم کرنے کی کوششیں جاری ہیں، ترقی کا ایک سلسلہ ہے اور دنیا کو یہ ملک بہت کچھ دے رہا ہے، لیکن دوسری طرف اگر دیکھا جائے تو انسانیت کی حیثیت سے یہ بالکل ایک ایسا کنگال ملک ہے جہاں اخلاق کی قدریں نہیں ہیں، جہاں انسانیت کی قدریں نہیں ہیں، اگر غور کیا جائے تو اخلاق اور ٹیکنالوجی میں ایک ایسا عدم توازن ہے اور اس طاقت میں جو انسانی طاقت ہمیں یہاں نظر آرہی ہے کہ اس کے نتیجہ میں اس کے خطرناک نتائج ہمارے سامنے آرہے ہیں، حضرت مولاناؒ اس کی مثال دیتے تھے کہ جیسے بچے کو طمنچہ دے دیا جائے تو وہ بے چارہ نہیں جانتا کہ اس کی گولی کس پر چلانی ہے؟ وہ باپ کو ماردے، اپنی ماں کو مار دے، وہ حقیقت سے ناواقف ہے، وہ اخلاقی زندگی نہیں جانتا، ابھی جو شعور کی سطح ہے، وہ بہت ہی ہلکی اور بہت کمزور ہے، اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ یہ ملک ایسا ہے کہ یہاں ٹیکنالوجی ہے، یہاں پر سائنسی ترقیات ہیں اور اس ملک نے دنیا کو بہت کچھ دیا، لیکن اصل جو دینے کی چیز تھی وہ آپ کے پاس ہے، آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ جوہر دیا ہے، اگر آپ یہاں اس خلا کو پر کریں اور اس کی جو ضرورت محسوس کی جارہی ہے، آپ طے کریں کہ انشاء اللہ ہم یہ کوشش کریں گے کہ ہم اپنی اخلاقی زندگی سے پورا وزن ڈال دیں گے اور کوشش کریں گے کہ یہاں کے لوگوں میں ایک قوتِ ایمانی پیدا ہو جائے، انسانیت کا جوہر پیدا ہو جائے، جس کو دیکھ کر یہاں کے وہ لوگ جو اس وقت

پریشاں حال ہیں، ان کے پاس سب کچھ ہے، لیکن وہ جو اندر کی ایمانی طاقت ہے، اندر کا جو سکون ہے وہ اس سے عاری ہیں، اگر ان کو ہم اپنی زندگی سے یہ جوہر دے دیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک سے نہ جانے دنیا کو کیا کیا مل سکتا ہے؟

آپ پر اس حیثیت سے یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ آپ ایسے ملک کے رہنے والے ہیں، میں آپ کو یہ پیغام دینا چاہتا ہوں، آج مسجد کے اس افتتاح کے واسطے سے آپ تعمیر مسجد کا کام کریں اور یہ تعمیر مسجد حقیقت میں اندرون کی تعمیر ہے، ہمارے دل کی تعمیر ہے، ہمارے دماغ کی تعمیر ہے اور ہماری انسانی زندگی کی تعمیر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید دنیا کو سب سے بڑھ کر اسی کی ضرورت ہے، اگر ہم نے یہ طے کر لیا تو ہم محسوس کریں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جس مقصد کے لیے پیدا کیا، شاید ہم نے اس کو پورا کیا اور شاید ہم دنیا کو دینے والے ہوں گے اور میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اللہ نے ہم کو دینے کے لیے پیدا کیا ہے، ہم کو لینے کے لیے پیدا نہیں کیا، آج مسلمانوں نے اپنی ذمہ داری بھلا دی، اللہ نے ہمیں دینے کے لیے پیدا کیا تھا، ایمان دینے کے لیے، اخلاق دینے کے لیے اور یہ ایسے دوشہ پر ہیں جس کے نتیجہ میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا کیا جو اس وقت کی دنیاوی متمدن قومیں تھیں، چاہے وہ رومن امپائر ہو، چاہے وہ پرسیچین امپائر ہو، وہ ساری کی ساری بڑی بڑی متمدن قومیں ان کے قدموں میں آ گئیں، اس لیے کہ انہوں نے وہ خلا پر کیا جو خلا محسوس کیا جا رہا تھا، آج دوبارہ اسی کی ضرورت ہے، آپ اس خلا کو پر کریں، آپ لوگوں کو کچھ دیں، ان کی اخلاقی زندگی آپ کو دیکھ کر ایک نئی منزل کی طرف پہنچ جائے اور وہ دولت مل جائے جس کی اس کو ضرورت ہے، اگر آپ نے خدمت کا یہ کام کیا اور اپنی اخلاقی زندگی کو بلندیوں تک پہنچایا تو کیا بعید ہے کہ آپ کے اخلاق کے حوالے سے ایمان کی وہ روشنی ایسے لوگوں کے دلوں تک پہنچ جائے جس

کی آج ان کوضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کواس کی توفیق دے، میں پھر مبارک باد دیتا ہوں، ہمارے مولانا فوزان صاحب جن کا ماشاء اللہ دعوۃ الحق کا ایک نظام ہے، یہ ہمارے ہندوستان میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قائم کیا ہوا ایک ادارہ اور ایک تحریک ہے، الحمدللہ وہاں یہ کام ہورہا ہے، انہوں نے اسی کام کو یہاں سنبھالا ہے، ان کے والد کا بھی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ سے بڑا تعلق رہا اوران کا بھی تعلق رہا، ان کے اخلاف سے بھی ان کا تعلق ہے، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ یہاں سے احیائے سنت کا کام ہوگا، دین کی اشاعت کا کام ہوگا اور یہاں سے انسانیت کا جو ایک بہت بڑا خلا محسوس کیا جارہا ہے، مسلمانوں میں، یہ خلا بھی پر ہوگا اوراس کے نتیجہ میں انشاء اللہ کیا بعید ہے کہ اس ملک سے ایمان کی روشنی ساری دنیا میں پھیلے، یہاں سے ٹیکنالوجی کی طاقت عام ہورہی ہے اور سائنسی ترقیات سے دنیا فائدہ اٹھارہی ہے، کیا بعید ہے کہ ایمان کی دولت بھی دنیا کو یہاں سے حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور ہماری اس حاضری کو قبول فرمائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

مدرسہ دار السلام شکاگو
۷؍فروری ۲۰۲۵ء

اصحابِ مدارس اور اہل دعوت کی ذمہ داریاں

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین وبعد! أعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِى الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

حضرات علمائے کرام، عزیز طلبہ اور میرے محترم دینی وایمانی بھائیو!

میں سب سے پہلے اس ادارہ میں آکر اپنی انتہائی مسرت کا اظہار کرتا ہوں، یہ مدرسہ دار السلام صرف اس شہر ہی کے لیے نہیں بلکہ اس پورے متحدہ علاقہ اور اس ملک کے لیے ایک بڑی نعمت ہے اور ایک امانت ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں جو حالات آپ کے سامنے ہیں اور خاص طور سے آپ کا یہ ملک جو پوری دنیا کی قیادت کر رہا ہے، ہم کو اس کا جو حق ادا کرنا چاہیے اور دنیا کی قیادت جس طرح ہونی چاہیے، وہ ایک الگ مسئلہ ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا میں یہاں کا culture چل رہا ہے، یہاں کی تہذیب چل رہی ہے اور یہاں کا دیا ہوا نظام چل رہا ہے، کچھ شعور میں اور کچھ لاشعور میں۔ ایسی صورت حال میں ان حضرات پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی

ہے جو یہاں رہتے ہیں اور ان میں بھی جو ہمارے علماء واصحابِ فکر ہیں' ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر ذمہ داری کو صحیح طریقہ پر ادا کیا جائے تو اس کے اثرات محدود نہیں ہیں بلکہ اس کے بہت وسیع اثرات ہمیں بہت جلد نظر آسکتے ہیں، اس لیے کہ آپ کی محنت اس ملک پر اثر انداز ہوگی اور اگر یہ رخ بدلا تو یہ اثرات محدود نہیں ہوں گے بلکہ پوری دنیا پر اس کے اثرات ہمارے سامنے آئیں گے، اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑھ کر اگر دنیا میں اس وقت کسی کی ذمہ داری ہے تو وہ آپ کی ہے۔

۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ پہلی مرتبہ یہاں تشریف لائے اور بہت طویل مدت تک رہے، مولانا نے تقریباً دو مہینے یہاں گذارے اور مختلف علاقوں میں مولانا کے دورے ہوئے، تقریباً بارہ یونیورسٹیوں میں مولانا کے خطابات ہوئے، اس وقت یہاں کے جو حالات حضرت مولانا رابع صاحبؒ نے اپنے سفرنامہ میں لکھے ہیں، اس سفرنامہ کو میں نے پڑھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت حالات کیا تھے اور اس وقت جو میں دیکھ رہا ہوں وہ حالات کیا ہیں؟! ۱۹۷۷ء کے بعد حضرت مولانا دوبارہ ۱۹۹۲ء میں بھی یہاں تشریف لائے، لیکن اس وقت بھی وہ حالات نہیں تھے جو اس وقت مجھے دیکھنے کو مل رہے ہیں، یہ محض اللہ کا فضل ہے اور بڑی خوش آئند بات ہے، امید ہے کہ آپ حضرات کی یہ محنت انشاء اللہ رنگ لائے گی، خاص طور سے جب میں نے یہ ادارہ دیکھا تو مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ یہ وقت کی ایک ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا ہے، اس دین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ زندگی کا ساتھ دیتا ہے، حضرت مولاناؒ نے یہاں عجیب بات فرمائی تھی کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس ملک کے لیے سب سے زیادہ مناسب مذہب کون سا ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب ہے: اسلام اور اگر یہ پوچھا جائے کہ سب سے زیادہ

کون سا مذہب اس ملک کے لیے نا مناسب ہے؟ تو شاید اس کا جواب ہو: عیسائیت، افسوس کی بات یہ ہے کہ اس ملک کے حصے میں وہی مذہب آیا جو اس ملک کے لیے انتہائی نا مناسب تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت کی history زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس کی بنیاد مایوسی پر ہے، کیونکہ یہ انسان کو سب سے بڑا مجرم اور سب سے بڑا گنہگار سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کے یہاں کفارہ کا عقیدہ ہے، اس کو اسی لیے اختیار کیا ہے کہ ان کے نزدیک انسان اصلاً مجرم تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پھانسی پر چڑھ گئے تو گویا سب کا کفارہ ہو گیا، اس کے بالکل برخلاف اسلام انسان کو اشرف المخلوقات کہتا ہے، انسانوں کی جو قیمت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتائی ہے، ہر مذہب اس سے قاصر ہے کہ وہ انسانوں کی وہ قیمت بتائے جو اسلام نے بتائی ہے، قرآن میں ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً﴾ (الإسراء: ۷۰)

(اور یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی اور خشکی اور سمندر میں ان کو سواری دی اور ان کو اچھے اچھے رزق دیئے اور اپنی مخلوقات میں بہتوں پر ان کو خاص رتبہ بخشا۔)

گویا انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا تذکرہ اللہ نے قرآن مجید میں کیا ہے، حاصل یہ کہ زندگی کا ساتھ دینے اور زندگی کو صحیح رخ دینے کا کام اگر کوئی مذہب کر سکتا تھا تو وہ اسلام تھا، افسوس ہے جو ہونا تھا وہ ہوا، اس کی بھی پوری ایک تاریخ ہے جس کو یہاں دہرانے کا موقع نہیں ہے، لیکن میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام میں مایوسی کفر ہے، جب محنت ہوتی ہے اور کام ہوتا ہے تو پھر اس کے اثرات ونتائج بھی سامنے آتے ہیں، اگر آپ یہاں یہ طے کر لیں کہ ہمیں یہاں کے لوگوں کو ایک نئ

زندگی دینی ہے، ایک نیا حوصلہ ان کے اندر پیدا کرنا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا ہے، ہمیں اس کو لوگوں کے سامنے اس انداز سے رکھنا ہے کہ ان کی غلط فہمیاں دور ہوں، لوگ سمجھیں کہ اس وقت یہ تنہا دین ایسا ہے جو اس زندگی کا ساتھ دے سکتا ہے اور اس ترقی کا ساتھ دے سکتا ہے۔ انسان آسمانوں پر پہنچ جائے، ستاروں پر کمندیں ڈالے اور چاند پر پہنچ جائے، وہ کچھ بھی کرے، لیکن اسلام وہ دین ہے کہ کسی مرحلہ پر وہ رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ وہ راستے بتاتا ہے، وہ رہبری کرتا ہے، وہ صحیح زندگی کے لیے روشنی کا انتظام کرتا ہے، اگر ہم یہ طے کرلیں کہ ہم اس دین کی اصل خوبی اور اس کا امتیاز لوگوں کے سامنے پیش کریں گے، یہی دین کا وہ اصل فہم ہے جس کا ہمیں مکلّف کیا گیا ہے کہ ہم اس کو اختیار کریں۔

سب سے بڑھ کر یہ کام مدرسوں میں ہوتا ہے، میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی جو آیت پڑھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے گویا مدرسوں کا تذکرہ کیا ہے اور مدرسوں کے جو دو بنیادی کام ہیں' ان کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُواْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ (التوبة: ۱۲۲)

(تو کیوں نہ ہر طبقہ میں سے ایک جماعت نکل پڑے تا کہ وہ دین میں سمجھ پیدا کرے اور تا کہ اپنی قوم کو جب ان کے پاس وہ واپس آئے تو خبردار کرے شاید وہ باز رہیں۔)

مدرسہ کا پہلا بنیادی کام یہ ہے کہ ہمیں یہاں رہ کر تفقہ فی الدین یعنی دین کی سمجھ پیدا کرنا ہے، دین کا مزاج شناس بننا ہے اور دین کے بارے میں وہ گہرائی پیدا کرنی ہے جس کے ذریعہ سے ہمارے سامنے وہ حقائق آئیں جس کی اس وقت ضرورت

ہے، ہم سمجھیں کہ دین کس طرح ہماری رہنمائی کرتا ہے اور اللہ کے نبی ﷺ نے ہمارے لیے کون سا راستہ کھولا ہے؟!

دوسرا مرحلہ ''انذار قوم'' کا ہے، یہ بھی ہمارے علماء کی ذمہ داری ہے، انذار قوم یعنی لوگوں کو خطرات سے آگاہ کرنا، چیلنجز سے آگاہ کرنا اور ان چیلنجز کا جو مقابلہ ہوسکتا ہے، اس کے لیے ان کی تیاری کرانا اور اس کے لیے ایسے اسباب اختیار کرنا اور ایسے وسائل فراہم کرنا جس کی ان کو ضرورت ہے۔

الحمدللہ مجھے یہ خوشی ہے کہ آپ یہاں پر جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس میں ایک طرف تفقہ فی الدین ہے اور دوسری طرف انذار قوم کے لیے بھی آپ کو تیار کیا جا رہا ہے، جس کی یہاں سب سے بڑھ کر ضرورت ہے تا کہ ہم ہر طبقہ تک پہنچ سکیں اور ان تک دین کی صحیح تعلیم پہنچا سکیں، ان کو ان کے پیدا کرنے والے سے روشناس کرا سکیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ جو بندوں سے چاہتا ہے اور بندوں کو اس نے جن چیزوں کا مکلّف کیا ہے، ہمیں ان چیزوں کو ان تک پہنچانا ہے، یہ ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

آج میں یہاں آیا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ یہاں ایک بڑا خلا پر کیا جا رہا ہے، ہمارا ملک ہندوستان جس نے صدیوں سے پورے عالم اسلام کی قیادت کی ہے، پوری دنیا کی قیادت کی ہے، وہاں کے بڑے بڑے علماء جن میں ایک نمایاں نام ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا اور وہ دور شروع ہوتا ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے اور بڑے بڑے مشائخ سے جن کے ذریعہ ملک میں انقلاب آیا، انہوں نے اپنی زندگی سے ایک نمونہ پیش کیا، خود حضرت خواجہ صاحب کے بارے میں آتا ہے کہ لاکھوں لاکھ لوگ ان کے ذریعہ سے ایمان میں داخل ہوئے، ان کا عجیب واقعہ ہے، میں آپ کو ان کا واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارے لیے

اصل بنیادی جوہر کیا ہے؟ جس کے ذریعہ سے ہم انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب جب ہندوستان تشریف لے جارہے تھے تو شہاب الدین غوری اس وقت شکست کھا کر ہندوستان سے واپس جا رہا تھا، راستے میں جب ملاقات ہوئی، اس نے حضرت کو دیکھا اور پوچھا کہ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ حضرت نے کہا: ہندوستان جارہا ہوں، اس نے کہا: حضرت زمین بڑی سنگلاخ ہے، میں وہاں کئی مرتبہ گیا لیکن کامیابی حاصل نہیں ہوئی، تو حضرت نے عجیب وغریب جملہ فرمایا کہ تم جسموں کو فتح کرنے جاتے تھے اور میں دلوں کو فتح کرنے جاتا ہوں، پھر انھوں نے دکھایا کہ وہ اپنے اخلاق سے جس طرح اثر انداز ہوئے تو ﴿يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً﴾ (لوگ دین میں فوج درفوج داخل ہورہے ہیں) کا سماں بندھ گیا، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جو اکثریت ہے اور ان کی جو بڑی تعداد نظر آتی ہے، وہ حضرت خواجہ صاحب کی ان قربانیوں اور ان کے اخلاق کی بلندی کا نتیجہ ہے۔

انہی کا ایک دوسرا واقعہ بھی ہے جس میں حضرت خواجہ صاحب کے اخلاق کی بلندی نظر آتی ہے، حضرت کے پاس لوگ آکر تحائف پیش کرتے تھے، حضرت کا معمول یہ تھا کہ شام کو ان کے خادم اقبال آتے تھے اور ایک بڑے کمرہ میں ان سارے تحائف کو منتقل کردیتے تھے، پھر ہفتہ میں ایک دن اعلان ہوتا تھا کہ یہ کمرہ کھول دو، جس کا جو جی چاہے وہ آکر لے جائے، اس طرح سب صاف ہوجاتا تھا۔ ایک صاحب کو نہ جانے کیا سوجھی، انھوں نے یہ سوچا کہ حضرت کوئی تحفہ کھول کر نہیں دیکھتے تو جو جی چاہے دے آؤ، انھوں نے ایک خوبصورت پیکٹ تیار کیا، اس میں مٹی بھری اور پیکٹ تیار کرکے حضرت کی خدمت میں پیش کردیا، جب شام ہوئی، خادم اقبال آئے اور انھوں نے سامان اٹھایا تو حضرت نے اس پیکٹ پر اپنا ہاتھ رکھا اور

عجیب وغریب بات فرمائی کہ اس کومت لے جاؤ یہ میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ آپ غور کریں ان کے اخلاق کی بلندی کیسی تھی؟! ان کو یہ محسوس ہوا کہ یہاں معاملہ کچھ اور ہے، کوئی اور ہوتا تو شاید بلاکر یہ خبر لیتا کہ اس کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کو کس نے مشورہ دیا تھا ہدیہ لانے کا؟، آپ کو دھوکہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن حضرت نے ان کو خفت وذلت سے بچانے کے لیے اس پیکٹ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس کومت لے جاؤ، یہ میری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جب یہ لے جایا جائے گا تو یہ کھلے گا پھر تحقیق کی جائے گی کہ کون بدبخت ہے جو حضرت کی خدمت میں مٹی کا پیکٹ بنا کر لایا اور دھوکہ دیا۔ ظاہر ہے یہ اخلاق کے آخری درجہ کی بلندی ہے۔

ہندوستان میں جو ہمارے برادران وطن یعنی دوسرے مذہب کے لوگ ہیں، میں ان سے ملتا ہوں تو میں ان کو اکثر یہ واقعہ سناتا ہوں اور حضرت خواجہ صاحب کا ملفوظ بھی سناتا ہوں، حضرت یہ کہتے تھے کہ اگر کوئی تمہارے راستے میں کانٹے ڈالتا ہے تو تم اس کے راستے میں پھول ڈالو، اس لیے کہ اگر تم بھی کانٹے ڈالو گے تو کانٹے ہی کانٹے ہوجائیں گے، جب تم پھول ڈالو گے تو کچھ تو خوشبو مہکے گی اور کل تمہارے راستے میں کانٹے ڈالنے والا سوچے گا کہ ہم نے جس کے راستے میں کانٹے ڈالے، وہ ہمارے راستے میں پھول ڈالتا ہے، کیوں نہ ہم بھی اس کے راستے میں پھول ڈالیں۔

یہ ایک ذوق تھا جو پیدا کیا گیا، حضرت خواجہ صاحبؒ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زمانہ سے لے کر آج تک، میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان نے پورے عالم اسلام کی قیادت کی ہے، کوئی دوسرا اس میں ہندوستان کا شریک نہیں ہے، اس کا اعتراف مصر نے کیا، اس کا اعتراف علمائے عرب نے کیا اور اس کا اعتراف ساری دنیا کے علماء نے کیا۔ اخیر دور میں مفکر اسلام حضرت

مولانا علی میاں ندویؒ نے پورے عالم اسلام کو ایک غذا فراہم کی، ان کی مشہور تصنیف ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' ایک ایسی تاریخی کتاب ہے کہ اس کو پڑھنے سے دین و اسلام پر اعتماد بحال ہوتا ہے اور ایک ذوق پیدا ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس سطح کی کتاب اس صدی میں نہیں لکھی گئی، مولانا کہتے تھے کہ جب ہم مصر گئے، اس زمانہ میں شیخ یوسف القرضاویؒ وغیرہ وہاں جامع ازہر میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، تو کچھ طلبہ مولانا سے ملنے آئے، مولانا نے ان میں کسی سے پوچھا کہ کیا آپ نے ماذا خسر پڑھی ہے؟ بعض طلبہ نے کہا کہ ہم نے نہیں دیکھی، مولانا کہنے لگے: میری زبان سے ایک جملہ نکل گیا کہ جس نے وہ کتاب نہیں پڑھی وہ پڑھا لکھا نہیں سمجھا جاتا، حضرت مولاناؒ کہتے ہیں کہ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ یہ میں نے کیا کہہ دیا، پھر شام کو شیخ یوسف القرضاوی ملنے کے لیے آئے تو وہ خود بتانے لگے کہ شیخ! ہمارے یہاں یہ شہرت ہے کہ اگر کسی نے ماذا خسر نہیں پڑھی تو وہ پڑھا لکھا آدمی نہیں سمجھا جاتا، حضرت مولانا کہنے لگے کہ عجیب بات ہے، میں نے اپنی زبان سے ایک بات کہہ دی تھی، وہ اللہ نے دوسرے شخص کی زبان سے نکلوائی جو آگے چل کر ایک بڑا عالم ہوا، سب جانتے ہیں کہ شیخ قرضاوی صاحب کی بعد میں پورے عالم اسلام کے اندر ایک وقعت ہوئی، ایک محقق کی حیثیت سے، ایک فقیہ کی حیثیت سے، ایک داعی کی حیثیت سے دنیا ان کو جانتی ہے۔ اللہ کا فضل ہے ہندوستان کو یہ شرف حاصل رہا ہے کہ اس میں بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوتے رہے۔

اس وقت آپ جس جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک طویل عرصہ سے ساری دنیا کی قیادت یہاں سے کی جارہی ہے، لیکن یہ قیادت بالکل ایک دوسری نوعیت کی ہے، یہ ایک سیاسی قیادت ہے، اسی کے ساتھ یہ ٹیکنالوجی کی قیادت ہے،

یہاں سے دنیا کو سب کچھ دیا جارہا ہے، لیکن دنیا کو جس چیز کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے وہ چیز یہاں پر عنقا ہے، وہ چیز یہاں نہیں پائی جاتی ہے اور وہ چیز اللہ نے آپ کو دی ہے، وہ ایمان ہے، وہ اخلاق ہے، وہ علم ہے جو آپ کو صحیح راستہ دیتا ہے اور پھر آپ کے ذریعہ سے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں رہنمائی کے دروازے کھولے تو کیا بعید ہے کہ یہ ملک دینی اعتبار سے بھی قیادت کے منصب پر فائز ہو اور یہاں سے ساری دنیا میں پھر وہ پیغام پہنچے اور وہ دولت تقسیم ہو جس کی دنیا کو آج سب سے بڑھ کر ضرورت ہے۔

الحمدللہ یہاں کافی مدارس موجود ہیں، میں مدرسہ کے حوالہ سے یہ بات کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمیں اپنی بنیادوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے، تفقہ فی الدین اسی چیز کا نام ہے، دین کو مضبوطی سے پکڑنا، دینی بنیادوں کو، اسلامی عقائد کو پکڑنا، اس میں ایک لمحہ کے لیے اور ذراسی دیر کے لیے کسی بھی چیز میں ہم اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے، جیسے پہاڑ اپنی جگہ پر ایستادہ ہو، اسی طرح عقائد کے مسئلے میں ہم اپنی جگہ پر پوری طرح سے مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں، ایک لمحہ کے لیے بھی ہم اس سے دست بردار نہ ہوں، اسی طرح جو ہماری اور بنیادیں ہیں، ہم ایک لمحہ کے لیے بھی ان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

اسی کے ساتھ انذار قوم کا مسئلہ بھی ہے، اس میں ہمیں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، اس کے لیے جو جدید وسائل ہیں، جو ہمارے سامنے ٹیکنالوجی کے نئے سے نئے آلات واسباب ہیں، ہمیں ان کو اختیار کرنا ہے، جس حد تک بھی ہمیں اس کی اجازت ہے، ہمیں اس میں آگے بڑھنا ہے، ہم اگر دونوں چیزوں کو جمع کریں گے تو وہ روشنی جو حضور ﷺ کے زمانہ سے آپ کے ذریعہ سے چلی اور وہ چشمہ جو آپ ﷺ کے زمانہ میں جاری ہوا، انشاء اللہ ان وسائل کو اگر ہم اختیار کریں گے تو اس میں اور وسعت ہوگی

اور وہ چیز آگے جائے گی، اس لیے ان دونوں چیزوں کو ہمیں جوڑنے کی ضرورت ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ الحمدللہ آپ کے اس مدرسہ میں ان دونوں چیزوں کو جمع کیا جا رہا ہے اور اس کے لیے کوششیں کی جا رہی ہیں، ندوۃ العلماء نے بھی شروع دن سے اسی کی دعوت دی، آج سے تقریباً ایک سو تیس سال پہلے جب ندوہ کے بانیوں نے ندوہ کی تحریک شروع کی، ندوہ اصلاً ایک تحریک تھا، وہ کوئی ادارہ نہیں بلکہ وہ ایک تحریک ہے، جب تحریک کی بنیاد پڑی، اس وقت سب کے سامنے یہ بات کہی گئی کہ اس وقت اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ ہم ایسے لوگوں تک پہنچ سکیں جو ہمارے قریب نہیں آنا چاہتے اور ہماری بات نہیں سننا چاہتے، اس کے لیے ہم وہ طریقہ کار اختیار کریں جس کے ذریعہ سے ہم ان کے اندر حقائق کو بھی منتقل کرسکیں، الحمدللہ وہ طریقہ کار اختیار کیا گیا، اس کے لیے دارالعلوم قائم ہوا، اس سے ہمارے جو فضلاء تیار ہوئے، اللہ کا فضل ہے کہ ان کے ذریعہ سے دنیا میں یہ کام ہوا جس کی ضرورت تھی۔ میں دیکھتا ہوں کہ الحمدللہ آپ بھی وہی کام یہاں پر اس وقت کررہے ہیں۔

میں آپ سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کی جو ذمہ داری ہے، یہ ذمہ داری دو چند وسہ چند نہیں بلکہ اس حیثیت سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ آپ جس ملک میں اور جس علاقہ میں ہیں، یہ ملک اور یہ علاقہ ایسا نہیں ہے کہ وہ چیز آپ کے اس ملک تک محدود رہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ میدان عمل میں آئیں گے، آپ اپنی زندگی سے صحیح نمونہ پیش کریں گے، اپنے اخلاق کی بلندی ان کے سامنے رکھیں گے، تو یقیناً آپ کے ایمان واخلاق کا یہ جوہر اگر اس قوم میں منتقل ہوگیا اور اس کے ذریعہ سے سارے عالم میں اس کے اثرات محسوس کیے گئے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو قیادت ہندوستان کرتا رہا، کیا بعید ہے کہ آگے آنے والے سالوں میں یہ قیادت آپ کے حصے

میں آئے اور آپ کے ذریعہ سے یہ دین سارے عالم میں تقسیم ہو۔

سچی بات یہ ہے کہ یہ دین حجاز مقدس کی ایک امانت ہے، وہاں سے یہ دین چلا اور آج بھی ہمارے لیے اس دین کا سب سے بڑا مرکز حجاز مقدس ہی ہے، وہ ہمارے دلوں کی دھڑکن ہے، وہاں جا کر ہمارے دماغ مطمئن ہوتے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک نظام ہے جس کے متعلق ایک حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ

"مثل أمتي كالمطر لا يدري خير أوله خير أم آخره."

(المعجم الأوسط للطبراني: ٣٦٦٠)

(میری امت بارش کی طرح ہے، نہیں معلوم کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آنے والا حصہ؟)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف ملکوں کا انتخاب فرمایا، مختلف علاقوں کا انتخاب فرمایا، صحابہ کے زمانہ کے بعد ایک دور تھا کہ بخارا وسمرقند کا پورا علاقہ جس کو ماوراء النہر کہتے ہیں، اللہ نے اس کا انتخاب فرمایا کہ بڑے بڑے علماء، بڑے محدثین وفقہاء اور بڑے بڑے مشائخ جو اس وقت ہمارے سر کا تاج ہیں، وہ سب اللہ نے وہاں پیدا کیے، لیکن پھر ایک وقت آیا کہ ہندوستان کو اللہ نے یہ شرف بخشا، اب کیا بعید ہے کہ اللہ نے آپ کے لیے بھی یہ فیصلہ کیا ہو، لیکن اس کے لیے پہلے سے تیاری کی ضرورت ہے، اس کے لیے پہلے سے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے، آپ دین میں مہارت پیدا کریں، تفقہ فی الدین پیدا کریں۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ عربی زبان کے اندر بھی مہارت پیدا کریں، قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا، ہمارے دین کا یہ پورا خزانہ اور احادیث کا پورا خزانہ عربی زبان میں ہے، عربی زبان کی مہارت کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی براہ راست قرآن وحدیث سے استفادہ کرتا ہے، پھر آپ جب عربی زبان کی مہارت کے ساتھ تفقہ فی الدین کی

صفت اپنے اندر پیدا کریں گے تو پھر آپ کی مادری زبان جو انگریزی ہے یا اور زبان جو آپ کے لیے بہت مفید ہے، اس کو آپ اپنے اپنے علاقوں میں بات پہنچانے کا ذریعہ بنا سکتے ہیں، اس میں اگر آپ نے مہارت پیدا کر لی تو انشاء اللہ اس کے ذریعہ سے آپ مختلف ملکوں میں دین کا پیغام پہنچا سکتے ہیں، اس لیے میں آپ کو مبارک باد بھی دیتا ہوں اور یہ امید بھی کرتا ہوں کہ آپ یہاں سے یہ طے کر کے جائیں گے کہ ہمیں انشاء اللہ اسلام کا ایک مکمل ترجمان بن کر سامنے آنا ہے اور یہ جو ایک خلا چلا آ رہا تھا کہ جو دین کا تفقہ رکھتے ہیں، جو دین کی سمجھ رکھتے ہیں، ان کے اندر انذار قوم کی صلاحیت نہیں اور جو انذار قوم کا عمل انجام دے رہے ہیں' ان کے اندر تفقہ فی الدین نہیں۔ میں آپ سے کیا کہوں بہت افسوس کی بات ہے، آپ کے امریکہ میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں میں بھی کہ ان کے اندر انذار کی صلاحیت ہے، زبان کی قوت ہے، لکھنے کی صلاحیت ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کے اندر دین کا تفقہ نظر نہیں آتا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ غلط راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔

ہمارے نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ وہ جہاں دیکھتے ہیں بہت شاندار سڑک ہے تو بس گاڑی دوڑاتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کو جانا کہاں ہے اور ان کی منزل کہاں ہے؟ اکثر میں دیکھتا ہوں کہ ان کو اپنی منزل کا پتہ نہیں، بس شاندار سڑک ہے تو اس پر تیز گاڑی چلائی جا رہی ہے، لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ کہاں جانا ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ آج کے اس دور میں اس طرح کے لوگ جو اپنی زبان سے اور اپنے قلم کی طاقت سے بہت سی ایسی باتیں کہتے ہیں جو بعض مرتبہ دین کے مزاج سے ہٹی ہوئی ہوتی ہیں، کبھی کبھی تو عقائد مسلمہ پر ضرب پڑتی ہے، اس زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی سڑک بڑی عمدہ ہے لیکن ان کو اپنی منزل کا پتہ نہیں، جو ان کے ساتھ جائے گا' وہ چلتا چلا جائے گا، آگے چل کر کس خندق میں گرے گا اور کس تباہی کا شکار ہوگا، اس کو نہیں

پتہ، اس لیے ہمیں اپنی منزل کا علم ہونا چاہیے، اس کی بڑی ضرورت ہے، ہمیں سڑک بھی ہموار کرنی ہے اور یہ بھی جاننا ہے کہ منزل تک کون سی سڑک لے جا رہی ہے، لیکن یہ کام ہمارے علماء ہی کر سکتے ہیں، اس لیے آپ اس کی بھی تیاری کریں، اس کی بڑی ضرورت ہے کہ جو منزل ہمارے لیے متعین کی گئی ہے، ہمیں اس منزل تک امت کو لے جانا ہے، اس کے لیے ہمیں سڑک ہموار کرنی ہے، اس کے لیے تیاری کرنی ہے اور زبان وقلم سے وہ طاقت پیدا کرنی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ

"إن من البيان لسحرا" (سنن أبی داؤد: ۵۰۰۹)

اللہ نے بیان کے اندر ایک جادو رکھا ہے، اگر آدمی کے اندر بیان اور اپنی بات کہنے کی ایک طاقت ہے، بات لکھنے کی طاقت ہے اور وہ ادبی ذوق ہے جو دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو بات کہے گا وہ بات سنی جائے گی، اس کے اثرات محسوس کیے جائیں گے، اس لیے آپ اس کی خاطر تیاری کریں، آپ جس جگہ پر ہیں، وہاں سے آپ کی بات بہت دور تک جائے گی، کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے وہ کام لے جو کام اللہ نے مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں سے لیا، مختلف علاقوں سے لیا اور وہاں کے علماء سے لیا، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے بھی وہ کام لے جس کے ذریعہ سے دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو۔

زمانہ قریب کے ہمارے بعض مشہور عیسائی مؤرخین نے ایک کتاب لکھی ہے، اس کتاب کا ترجمہ بھی "شمس الإسلام تطلع علیٰ الغرب" کے نام سے ہوا ہے، اس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اسلام کا سورج اس وقت یورپ سے طلوع ہو رہا ہے، گویا امریکہ سے طلوع ہو رہا ہے، کیا بعید ہے کہ اس وقت جو ایک روشنی نظر آ رہی ہے، اس میں آپ کا بھی حصہ ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو بنیادی حیثیت عطا کرے کہ آگے یہ دین پھیلے اور یہ روشنی ہو جس کا ذریعہ آپ بنیں، پھر یہ روشنی سارے عالم میں پھیلے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس مدرسہ کو قبول کرے، اس میں برکت عطا فرمائے، مجھے یہاں حاضر ہوکر بڑی مسرت ہوئی، میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہاں کے طلبہ، یہاں کے پڑھنے والے، نوجوان اساتذہ جو صاحب فکر ہیں اور ایک خاص نظام کو لے کر چل رہے ہیں، اللہ ان کی رہنمائی کرے اور ان کو ہر طرح کے انحراف سے بچائے، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ ان کی کوششوں سے آپ کو ایک رخ ملے گا اور آپ کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ دین کا یہ کام یہاں سے جاری فرمائیں گے اور یہاں اس ملک کے ذریعہ سے جو ایک قوت رکھتا ہے اور سارے عالم میں یہاں سے بہت کچھ سپلائی ہوتا ہے، کیا بعید ہے کہ انشاء اللہ یہاں سے وہ انسانیت اور وہ محبت سپلائی ہو، پھر اس سے بڑھ کر وہ ایمان سپلائی ہو، اخلاق کی وہ قدریں سپلائی ہوں جس کی سب سے بڑھ کر اس وقت ساری دنیا اور انسانیت کو ضرورت ہے، اللہ آپ کو اس کا ذریعہ بنائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہاں سے اگر آپ یہ کام کریں جو ہمارے یہاں الحمد للہ پیام انسانیت کے عنوان سے ہوتا ہے یعنی لوگوں تک انسانی بنیادوں پر پہنچیں، گویا اپنے اخلاق کی بلندی سے ان کے دل ودماغ پر ایک ضرب لگائیں اور ان تک یہ بات پہنچائیں کہ اصل یہ ہے کہ ہم ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، ایک ہی جیسے انسان ہیں، حقیقت میں دیکھیں تو ایک جسم جو اللہ نے ہمیں دیا ہے، وہ کسی کا بھی ہو، وہ مسلمان کا ہو، یا مسلمان کا نہ ہو، اللہ نے پورا ایک نظام دیا ہوا ہے جو سب کے لیے یکساں ہے، اس حیثیت سے ہمیں ایک دوسرے کی خدمت بھی کرنی ہے، ہمیں ایک دوسرے کے کام بھی آنا ہے، یہ ایسی چیز ہے جس کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں کہ حضور اقدس ﷺ نے مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کے بعد جب کہ مکہ دشمن تھا اور دشمنوں کے سردار موجود تھے، وہاں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ جب قحط پڑا تو باقاعدہ ریلیف کا انتظام فرمایا اور آپ ﷺ نے وہاں کے لوگوں کو پانچ سو یا پانچ ہزار دینار بھیجے تاکہ

وہاں کی پریشانیاں کم ہوں، حالانکہ وہ دشمن تھے۔ معلوم یہ ہوا کہ حضور نے تو ہمیں سکھایا کہ دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا جائے، یہ ایسی چیز ہے جس سے دل بدلتے ہیں، جس سے دماغوں میں ایک انقلاب برپا ہوتا ہے، اس چیز کی بڑی ضرورت ہے کہ یہاں سے یہ کام بھی ہو، ہم لوگوں کی اچھی خدمت کریں، انسانیت کی بات کہیں اور سب سے بڑھ کر اگر ہمارے اخلاق بلند ہوں گے اور اس کے اثرات محلوں میں محسوس کیے جائیں گے، کچھ بعید نہیں کہ انشاء اللہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کے اندر سوچنے کا انداز بدل جائے گا۔

میرے دوستو اور میرے بھائیو!

میں اپنی مسرت کا بھی اظہار کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس ادارہ کے ذریعہ اور اس مدرسہ کے ذریعہ سے انشاء اللہ یہاں یہ کام ہوگا اور یہاں سے یہ روشنی تقسیم ہوگی، کیا بعید ہے کہ یہ روشنی دنیا کے مختلف ملکوں میں پہنچے اور آپ کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ یہ ایک ایسا بڑا کام کرادے جس کی اس وقت بہت ضرورت ہے اور زمانہ اس کا منتظر ہے، سب سے بڑھ کر اگر آپ یہ ذمہ داری لیں گے اور آگے بڑھیں گے تو انشاء اللہ اس کے اثرات دور دور تک محسوس کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ آج کی اس حاضری کو قبول کرے اور اس کو خیر کا ذریعہ بنائے، میں بہت شکریہ ادا کرتا ہوں تمام دوستوں کا جنہوں نے اس کا موقع دیا اور میں یہاں حاضر ہوا، بڑی خوشی کی بات ہے کہ مجھے اس مدرسہ میں آنے کا موقع ملا، جو کام یہاں پر ہورہا ہے الحمد للہ یہ میرے دل کی آواز ہے اور وقت کی ضرورت ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ انشاء اللہ اس کی افادیت میں اضافہ ہوگا اور اس کے اثرات بھی انشاء اللہ محسوس کیے جائیں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

یونٹی اسلامک سنٹر، شکاگو
۸؍فروری ۲۰۲۵ء

سعی پیہم اور جہدِ مسلسل کی ضرورت

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین وعلیٰ من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم واستن بسنتهم واهتدیٰ بهدیهم إلیٰ یوم الدین أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

حضرات علماء کرام!

یہ میرے لیے سعادت کی بات ہے کہ میں آپ کے سامنے حاضر ہوا، آپ حضرات کی یہاں جو خدمات ہیں' الحمد للہ اس کے نتائج بھی نگاہوں کے سامنے ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ آج سے بہت پہلے ۱۹۷۷ء میں یہاں تشریف لائے تھے، میں نے حضرت سے زبانی بھی بہت کچھ سنا اور جو سفرنامہ حضرت مولانا رابع صاحب نے لکھا تھا ''دو مہینے امریکہ میں'' وہ بھی پڑھا، حضرت مولانا اس کے بعد ۱۹۹۲ء میں بھی تشریف لائے، لیکن آج آنے کے بعد جو میں نے یہاں محسوس کیا اور ایک دو دن کے اندر یہاں کے حالات کا جو کچھ بھی جائزہ لیا، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ الحمد للہ آپ حضرات یہاں جو خدمات انجام دے رہے ہیں، اس کے بہتر نتائج

آنکھوں کے سامنے ہیں اور یہ اس وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔

حضرت مولاناؒ نے اس وقت یہ بات فرمائی تھی کہ یہ ملک ایسا ہے جو دنیا کو بہت کچھ دے رہا ہے، اگر یہاں سے وہ سوغات بھی تقسیم ہو جس کی دنیا کو ضرورت ہے تو شاید جس طرح ٹیکنالوجی کے میدان میں اس ملک کی برتری تسلیم کی جاتی ہے، شاید اس میدان میں بھی اس کی برتری تسلیم کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نظام عجیب ہے، اللہ نے اس دین کو کسی ملک کے ساتھ یا چند افراد کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے، بلکہ جو بھی میدان عمل میں آئے گا اور کام کرے گا، محنت کرے گا، جان کھپائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستے کھولتا ہے، چاہے وہ کہیں بھی ہو اور کسی بھی ملک میں ہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر پہلے سے اسباب موافق ہوں اور فضا سازگار ہو تو کام میں آسانی ہوتی ہے، لیکن کام کرنے والے اپنے لیے راستے خود بناتے ہیں اور اللہ کی طرف سے مدد شامل حال ہوتی ہے۔ میں کل سے یہی دیکھ رہا ہوں کہ الحمد للہ علماء کی ایک بڑی تعداد جو یہاں مقیم ہے اور جس طرح وہ فکرمند ہے اور اس وقت ہمارے سامنے جو یہاں بڑے بڑے ادارے نظر آرہے ہیں، اس کا پہلے تصور بھی نہیں تھا، یہ ایک بڑی خوش آئند بات ہے، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ آپ کی یہ محنت رنگ لائے گی، لیکن میں دو تین باتیں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اپنوں کی فکر کرنی ہے جو آپ حضرات کر رہے ہیں، اس کے لیے اداروں کا قیام اور نئی نسل کو ایمان پر باقی رکھنے کی کوششیں اور خاص طور سے ذہن ودماغ میں جو طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے جا رہے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر مطمئن کرنا' یہ سب سے بڑی ایک ذمہ داری ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہاں سے وہ کام بھی انجام پا رہا ہے، اس کو اور بڑھانے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ نوجوان طبقے کے اندر ایک پیاس ہے، وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کی یہ پیاس بجھائے، الحمد للہ جو

حضرات یہ کام کرر ہے ہیں، اس کے فوائد بھی ان کے سامنے آرہے ہیں، اس لیے اس کو مزید بڑھانے کی ضرورت ہے۔ یہ ادارے جو آپ قائم کرر ہے ہیں، یا نئی نسل کے ایمان کو بچانے کی جو تدابیر اختیار کی جارہی ہیں، یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

اسی کے ساتھ میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں جس کا پوری دنیا کے لیے ایک اہم رول ہے، اگر ہم یہاں کی وہ آبادی جو ظاہری طور پر ہم سے بہت قریب نہیں ہے، اگر ہم اس کو Target کریں اور طے کریں کہ ہم ان کو قریب کریں گے، ہم ان کے سامنے وہ حقائق رکھیں گے جو شاید ابھی تک ان کے سامنے اس طرح سے نہیں آسکے جس طرح ان کے سامنے وہ آنے چاہیے تھے، تو یہ عمل بھی بڑا مفید ہوگا۔ مجھے خوشی ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس ملک میں اور ہمارے ملک میں جہاں ہم رہتے ہیں' ایک بڑا فرق ہے، ہمارے یہاں بڑی دشواریاں ہیں اور بعض بڑی رکاوٹیں ہیں، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اس طرح کی رکاوٹیں شاید ابھی یہاں نہیں ہیں، آپ یہاں جو کام آزادی کے ساتھ کر سکتے ہیں، ہم وہاں وہ کام نہیں کر پاتے، آپ کو اللہ نے یہ موقع دیا ہے اور آپ کو اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

ایک بڑے مفکر و عالم ابوالمحاسن مولانا سجاد بہاریؒ شاید ان کا آپ نے نام سنا ہوگا، بہار میں جو امارت شریعہ کا نظام ہے جو ہندوستان کے لیے قابل فخر چیز رہی ہے، وہ اس کے بانیوں میں سے تھے، ان کا عجیب جملہ تھا، وہ فرماتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو دائرۂ اختیار دیا ہے، اس میں رہ کر آپ کام کر سکتے ہیں، اگر آپ اس سے فائدہ اٹھائیں گے تو دائرہ اور زیادہ کشادہ ہوگا اور اگر آپ اس سے فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو دائرہ تنگ سے تنگ ہوتا چلا جائے گا، آج آپ کام کر سکتے ہیں' اللہ وہ دن نہ لائے کہ یہاں کام کرنا مشکل ہو جائے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں کی آبادی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جن جن ملکوں میں مسلمانوں سے یہ

غلطی ہوئی ہے، وہاں بعض مرتبہ تاریخ پلٹ دی گئی۔

ہمارے بہت ہی محترم بزرگ بھائی عبدالرشید صاحب' ان کے جاننے والے ابھی یہاں ہوں گے، انہوں نے عجیب قصہ سنایا، انہوں نے یہ بھی کہا: میں چاہتا ہوں کہ آپ کے حوالے سے یہ بات دوسرے لوگوں تک بھی پہنچے۔ یہ واقعہ روس کی آزاد ریاستوں کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں بہت پہلے وہاں جماعت میں گیا، وہاں ایک بہت بزرگ تھے جن کی کافی عمر ہو چکی تھی، ان سے میری ملاقات ہوئی، وہ کہنے لگے کہ میں آپ کو ایک وصیت کرتا ہوں، آپ جا کر ہندوستانی مسلمانوں تک وہ بات پہنچا دیجیے، -میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ وصیت صرف ہندوستانی مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ دنیا میں رہنے والے ان تمام مسلمانوں کے لیے ہے جو اقلیت میں ہوں- انہوں نے کہا: ہمیں یاد ہے کہ ایک دور میں ہم امن وامان کے ساتھ تھے، یہاں امام بخاری پیدا ہوئے، صاحب ہدایہ امام مرغینانی پیدا ہوئے، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند جیسے بزرگ بانی سلسلہ پید ہوئے اور نہ جانے کتنے لوگ جن کا نام بھی لینا مشکل ہے، اس لیے ہمیں یہ اطمینان تھا کہ یہاں سے دین کو کون ختم کرسکتا ہے، ہم وہاں آرام سے رہتے تھے، لیکن جب سرخ انقلاب آیا تو اس کا نتیجہ بہت عبرت ناک تھا، اس پر انہوں نے خود اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ہماری بیٹیاں اور ہماری اہلیہ گھر سے نکلیں، دیکھا کہ ایک چوراہے پر آگ بھڑک رہی ہے، جب ہم وہاں سے گذرے تو ہمیں پکڑ لیا گیا اور پولیس کے لوگوں نے ہماری بیوی بیٹیوں سے برقع اتارنے کو کہا اور کہا کہ اگر نہ اتارو تو اس آگ میں کود جاؤ، وہ بولیں کہ ہم برقع نہیں اتار سکتے، پولیس نے ضد کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے بھی خود برقع اتارنے کو کہا مگر وہ نہ مانیں، وہ کہتے ہیں کہ پھر پولیس والوں نے میری آنکھوں کے سامنے اہلیہ کو اٹھایا اور آگ میں ڈال دیا اور میری آنکھوں کے سامنے وہ جل گئیں، پھر بیٹیوں سے برقع اتارنے کو کہا گیا، انہوں نے

بھی منع کر دیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے بیٹیوں کو بہت سمجھایا اور بتایا کہ اس وقت یہ ایک ضرورت ہے، اس وقت انہوں نے برقع اتار دیا اور وہ گھروں میں داخل ہو گئیں، پھر ساری زندگی گھروں سے باہر نہیں نکلیں بلکہ ان کے جنازے ہی باہر آئے۔ اس کے بعد ان بزرگ نے جو بات کہی وہ اصل کہنے کی ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ وہ کہنے لگے: میں آپ کو وصیت کے طور پر کہتا ہوں کہ یہ صرف اس لیے ہوا کہ ہم نے یہاں اس آبادی کو نظر انداز کیا جو ہمارے برادران وطن کی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تک صحیح بات نہیں پہنچ سکی اور ان کی دشمنی بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ آج ہمارا یہاں وجود مشکل ہو گیا، پھر انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو خاص طور سے وصیت کی، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ وصیت امریکہ کے مسلمانوں کے لیے بھی ہے اور ان تمام ممالک کے لیے ہے جن میں مسلمان اقلیت میں ہیں، ان پر یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح نمونہ پیش کریں، وہ اسلام کا صحیح نمونہ پیش کریں، اسلام میں اور اسلام کی اخلاقی زندگی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کشش رکھی ہے، سچی بات یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں بعض مرتبہ اگر ہم صحیح نمونہ پیش کریں تو ایک انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

پیام انسانیت ایک تحریک ہے، جس کا آغاز مولانا علی میاں صاحبؒ نے ۱۹۷۴ء میں کیا تھا، الحمد للہ یہ تحریک آج بھی سرگرم عمل ہے اور اس کے نتائج بھی الحمد للہ ہمارے سامنے آرہے ہیں، میں نے بہت ہی گندا اور زہریلا ذہن رکھنے والے لوگوں کو دیکھا کہ جب انہوں نے اس کا تجربہ کیا کہ مسلمان کیا ہیں اور ان کے اخلاق کیا ہیں؟ تو ان کے اندر الحمد للہ ایک بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو یہاں تو اس کے بہت مواقع دیئے ہیں، اگر یہاں تھوڑی سی محنت ہو جائے اور یہ ہمارے بھائی جو یہاں رہتے ہیں، جو یہاں کے اصل باشندے ہیں، یا بہت پہلے سے یہاں رہ رہے ہیں، لیکن اسلام سے واقف نہیں ہیں، الحمد للہ یہاں اللہ نے اس کے

راستے کھولے ہیں اور آپ کو یہ آزادی دی ہے، آپ اگر تھوڑی سی اخلاق کی یہ محنت کرلیں تو اس کی امید ہے کہ انشاء اللہ اس کے بہت بہتر نتائج ہمارے سامنے آئیں گے۔

میں تو اس کے حوالے بھی دیتا ہوں، یہاں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ یہاں کے مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھ کر لوگوں کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہوئی، عجیب قصہ ہے کہ یہاں کسی نے شہادتین پڑھی، وہ کھڑا ہوا اور بولا کہ میں نے اسلام قبول کرنے کے لیے کوئی کتاب نہیں پڑھی بلکہ میں مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھ کر مسلمان ہوا ہوں، یاد رکھئے! سب سے بڑھ کر جو چیز مؤثر ہوتی ہے' وہ ہماری زندگی ہے، اگر سلسلہ میں تھوڑی توجہ کی جائے اور ان سے debate بھی ہو تو اس کے بہتر نتائج نکلیں گے، لیکن debate خالص اس طرح کی نہ ہو جس کو کہتے ہیں کہ ہم نے دانت کھٹے کردیئے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا قصہ مشہور ہے، ایک صاحب مناظرہ کرکے آئے اور کہنے لگے کہ حضرت! ہم نے فلاں کو دنداں شکن جواب دیا، حضرت نے بڑے بھولے پن سے فرمایا کہ اب بے چارہ چنے کیسے کھائے گا؟ گویا اس میں ایک اشارہ تھا کہ اس طرح کے عمل سے کوئی فائدہ نہیں، ہمیں تو ضمیر تک پہنچنا ہے، ہمیں دلوں کو مطمئن کرنا ہے، ہمیں ان کو اپنا دشمن نہیں بنانا ہے، یہ تصور کہ یہ ہمارے دشمن ہیں، ہم ان کے جتنے بھی دانت کھٹے کردیں اور ان کو ہم گویا شکست دے دیں اور نیچا دکھادیں، یہ کوئی وہ concept نہیں ہے جو پسندیدہ ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ کی پوری زندگی حقیقت میں دیکھی جائے تو ایک درد کے ساتھ گذری، قرآن مجید میں ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً﴾ (الکھف: ٦)

(بس اگر انھوں نے یہ بات نہ مانی تو لگتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے اپنی

جان ہلکان کردیں گے۔)

یہ اصل درد ہے، جب یہ درد پیدا ہوتا ہے تو آدمی بہت کچھ برداشت کرلیتا ہے، کوئی کانٹے بھی بچھاتا ہے تو آدمی اس کے راستے میں پھول بچھاتا ہے، میں کل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا قول عرض کر رہا تھا کہ کوئی تمہارے راستے میں کانٹے ڈالتا ہے تو تم اس کے راستے میں پھول ڈالو، اس لیے کہ اگر تم بھی کانٹے ڈالو گے تو کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے اور اگر پھول ڈالو گے تو کچھ تو خوشبو مہکے گی اور کانٹے ڈالنے والا آج نہیں تو کل سوچے گا کہ ہم نے جس کے راستے میں کانٹے ڈالے تھے، اس نے پھول ڈالے، تو کیوں نہ ہم بھی اس کے راستے میں پھول ڈالیں، یہ ایک تبدیلی پیدا کرنے والی چیز ہے اور سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ ہے، اس کے متعدد واقعات بھی ہیں، ہمارے مولانا ثانی حسنی صاحبؒ کے بڑے مؤثر اشعار ہیں کہ

گالیاں جس نے دیں اس کو تحفے دیئے
زخم جس نے دیئے زخم اس کے سیے
عافیت کی دعا مانگی سب کے لیے
کی جفا جس نے بدلے وفا سے دیئے
جس نے سب کو پلایا محبت کا جام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

یہ سیرتِ نبوی کا وہ عکس ہے کہ اگر ہم لوگ اپنے اپنے ملکوں میں اس کو اختیار کریں تو ہمیں امید ہے کہ یہ ایک انقلاب کا ذریعہ ہے، اس کے ذریعہ سے ملکوں میں بڑی تبدیلیاں ہو چکی ہیں، حضرت شیخ جمال الدین ایرانی کا واقعہ حضرت مولانا بہت سناتے تھے، تاتاریوں کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ انھوں نے کس طرح

مسلمانوں کو نقصان پہنچایا، بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، تیموری شاخ کا ایک قصہ ہے کہ شہزادہ شکار کو نکلا تو اس نے اعلان کیا کہ کوئی ایرانی نظر نہ آئے، ان کے یہاں مشہور تھا کہ ایرانی بڑے منحوس ہوتے ہیں، اگر نظر آئیں گے تو شکار نہیں ملتا، اللہ کا کرنا کہ جب وہ جارہا تھا تو شیخ جمال الدین شاید وہیں کہیں نماز وغیرہ پڑھ رہے ہوں گے، وہ اچانک ان کے سامنے آگئے، ایرانیوں کی ایک خاص شناخت ہوتی تھی، وہ ان کو دیکھ کر فوراً پہچان گیا کہ ایرانی ہیں، وہ بولا: یہ بڈھا کہاں سے آگیا؟ اس کو پکڑ کر لاؤ، اس نے میرا سارا کھیل بگاڑ دیا، وہ پکڑ کر لائے گئے تو اس نے بڑے جوش اور غصہ میں کہا کہ تو بہتر ہے یا میرا کتا بہتر ہے؟ انہوں نے بہت ٹھنڈے انداز میں ایمان واخلاق کے ساتھ جواب دیا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تب تو میں بہتر ہوں ورنہ یہ کتا بہتر ہے۔ اس بات کا اس پر ایسا اثر پڑا کہ وہ بولا: یہ ایمان کیا چیز ہے؟ بس ان کو موقع مل گیا، وہ زبان بھی جانتے تھے، انہوں نے بہت بہتر تشریح کی جو دل میں اتر گئی، وہ بولا کہ ابھی میری عنقریب ہی تاج پوشی ہونے والی ہے، اس وقت آپ آیئے گا، میں اسلام قبول کروں گا اور پوری مملکت بھی اسلام میں داخل ہوجائے گی، لیکن یہ شرف ان کے حصے میں نہیں تھا، ان کے انتقال کا وقت آپہنچا، انہوں نے بیٹے سے کہا کہ جب تاج پوشی ہو تو جا کر یہ واقعہ بادشاہ کو سنانا، پھر صاحبزادہ گئے، تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور انگریز مؤرخین نے یہ باتیں لکھی ہیں کہ انہوں نے ایک کونے میں مصلّٰی ڈالا، وہیں وہ نمازیں پڑھتے تھے، ایک مرتبہ فجر میں اذان دے رہے تھے کہ بادشاہ کو آواز پہنچ گئی، وہ بھپر گیا کہ میری نیند کون خراب کرتا ہے، اس کو پکڑ کر لاؤ، بس ان کو یہی چاہیے تھا، پھر دربار لگا، ان کو پکڑ کر لے جایا گیا، تو اس نے کہا کہ تو صبح صبح کیا بک رہا تھا اور کیوں نیند خراب کر رہا تھا؟ انہوں نے کہا: حضور! میں آپ کو ایک بات بتانے آیا ہوں، آپ کو یاد ہوگا آپ شکار کھیلنے گئے تھے، وہاں آپ کو ایک صاحب ملے تھے، انہوں

نے کہا تھا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو تو میں بہتر ہوں ورنہ میرا کتا بہتر ہے، تو میں بتانے آیا ہوں کہ الحمدللہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا، بس ان کے دل میں ایک چنگاری اٹھی، وہ بولا کہ میں تو منتظر تھا، اسی وقت اس نے باقاعدہ سب کو بلایا، بڑا دربار کیا اور کہا: میں تو پہلے ہی کلمہ پڑھ چکا ہوں، بس میں اعلان کرنا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم لوگ بھی اس دین کو قبول کرلو، اس پر بہت سے لوگ بولے کہ ہم تو پہلے سے مانتے تھے، آپ کے ڈر سے اظہار نہیں کرتے تھے، اس طرح ایک ہی دن میں تاتاریوں کی پوری کی پوری وہ تیموری شاخ مسلمان ہوگئی، اسی کے متعلق علامہ اقبال کا وہ شعر ہے کہ

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہ وہ ایمان واخلاق ہے جو اگر ہمارے اندر پیدا ہو جائے تو بعض مرتبہ ایک جملہ اثر انداز ہوتا ہے، بعض مرتبہ ایک ادا اثر کرتی ہے اور قوموں کے اندر ایک انقلاب برپا ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں آپ حضرات کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، میں نے کل بھی عرض کیا اور آج بھی میں کہتا ہوں کہ یہاں سے ٹیکنالوجی تقسیم ہوتی ہے، کیا بعید ہے کہ ایک دن ایسا آجائے کہ یہاں سے ایمان تقسیم ہو، یہاں سے ایمانی اخلاق تقسیم ہوں اور دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو جائے، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کسی کی اجارہ داری نہیں ہے کہ کام عالم عربی سے ہوگا، یا وہ ہندوستان سے ہوگا، یا وہ پاکستان سے ہوگا، سچی بات یہ ہے کہ جہاں بھی جو کرے گا، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ محنتوں کو ضائع نہیں کرتا، جو جان کھپاتے ہیں اللہ ان کے لیے راستے کھولتا ہے، میں یہ امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے بھی یقیناً وہ راستے کھولے گا۔

مجھے یہاں آکر انتہائی مسرت ہوئی، اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہاں الحمدللہ اتنے کام ہیں اور اتنے ادارے ہیں، بہت سی شخصیات سے میں واقف تھا، ان کے

کاموں کو میں دیکھتا تھا، مجھے خوشی ہوتی تھی، لیکن الحمدللہ میں نے اس سے بھی بہتر پایا اوراس سے زیادہ میں نے یہاں کاموں کو دیکھا تو مجھے مسرت ہوئی اور امید جاگی، کیا بعید ہے کہ یہاں سے انشاء اللہ اسلام کا سورج دوبارہ طلوع ہو اور یہ تو یورپین محققین نے بھی پیشین گوئی کی ہے کہ شاید اب یورپ وامریکہ سے ہی اسلام کا سورج طلوع ہو، لیکن اس کے لیے ہمیں آگے بڑھنا ہے اور ایک ایسی زندگی ہمیں **follow** کرنی ہے اور لوگوں کے سامنے پیش کرنی ہے کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی وہ تصویر جائے جو آج شاید لوگوں کے سامنے نہیں ہے۔

میں کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا لیکن ہم سے بہت غلطیاں ہوئی ہیں، ہم نے جو ٹکراؤ کی پالیسی اختیار کی، اس سے پورے عالم اسلام میں ایک عجیب فضا بنی اور اس کے بڑے نقصانات رونما ہوئے، ہمارے سامنے تو سیرت کا نمونہ ہے، آپ ﷺ نے جو مکہ مکرمہ کے قیام میں معاہدہ کیا، سب جمع ہوئے اور مدینہ طیبہ جانے کے بعد میثاق مدینہ کے نام سے جو معاہدہ ہوا، ہمارے سامنے وہ حقائق آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے سب کو ملایا اور ایک معاہدہ ہوا، یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بڑے گہرے اثرات پڑتے ہیں، اخیر میں صلح حدیبیہ کا میں حوالہ دیتا ہوں، جب صلح حدیبیہ ہوئی تو اس وقت کی صورت حال یہ تھی کہ کلیجے منھ کو آگئے، لیکن صلح اللہ کے حکم سے ہوئی، اس کا جو نتیجہ نکلا وہ غور کرنے کے لائق ہے کہ اس کے بعد فتح مکہ تک جو دو سال گذرے وہ ایسے تھے کہ مدینہ والے مکہ آئے اور مکہ والے مدینہ آئے، ان کو دیکھنے کا موقع ملا، اس سے پہلے ایسی دشمنیاں تھا کہ دیکھنے کا بھی موقع نہیں تھا، پھر انہوں نے جو اسلام دیکھا اور اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو دیکھا تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی، یہ تاریخ کا واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جتنی بڑی تعداد میں لوگ اسلام کے اندر داخل ہوئے، اس سے پہلے اٹھارہ بیس سال کی مدت میں داخل نہیں ہوئے، حضرت خالد بن ولیدؓ،

حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے بڑے بڑے صحابہ سب اسی دور کی یادگار ہیں۔

اللہ نے ہم کو یہ موقع دیا کہ ہم غیروں کے درمیان رہتے ہیں، اگر ہم ان کے سامنے یہ نمونہ پیش کریں تو کیا بعید ہے کہ ایک انقلاب برپا ہو اور ایک نئی زندگی ان کو نظر آئے، آپ سب جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ آج کس قدر اس کی پیاس ہے اور کیسی بے چینی لوگوں کے دلوں کے اندر ہے، اگر اس بے چینی کا کہیں حل ہے، اگر ان کو کہیں سکون مل سکتا ہے تو صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین عطا فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مبارک زندگی ہے' یہ حل وہیں مل سکتا ہے، ہم نے اس کو سینوں میں دبا کر رکھا ہے بلکہ کہا جائے کہ الماریوں اور کتابوں میں بند کر کے رکھا ہے، ہم اس کو نمونہ بنا کر اور اپنی زندگی میں لا کر پیش کریں تو کیا بعید ہے کہ ایک نیا دور شروع ہو۔ ہمیں امید ہے کہ آپ حضرات ذمہ داران ہیں اور یہاں بڑے مدارس کے اہم لوگ موجود ہیں، اگر وہ طے کرلیں کہ انشاء اللہ یہاں سے ہمیں یہ کام شروع کرنا ہے، تو کیا بعید ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایک انقلاب آئے اور پوری دنیا میں یہاں سے وہ دولت تقسیم ہو جس کی دنیا کو ضرورت ہے۔

اللہ ہم سب کو توفیق دے، یہاں کی حاضری کو قبول فرمائے، میں آپ حضرات کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع دیا، یہاں بہت اہم لوگ موجود ہیں، میں ایک ایک کا نام لیتا لیکن شاید حق تلفی ہو جاتی اور شاید کسی کا نام رہ جاتا تو مناسب نہ ہوتا، اس لیے میں نے کسی کا نام نہیں لیا، آپ سب کو میں خطاب کرتا ہوں، دعا کی درخواست کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ایک نئے حوصلے کے ساتھ ہم آگے بڑھیں گے، اس سے ایک پیغام ملے گا اور ایک مشن اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائیں گے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

مکی مسجد شکاگو
۸رفروری ۲۰۲۵ء

مکمل دین پر مکمل عمل کا مطالبہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وبعد!

میرے محترم دینی وایمانی بھائیو!

یہاں حاضری سے مجھے بڑی مسرت ہوئی، مولانا عبدالستار صاحب کا تذکرہ میں نے سنا تھا، آج مجھے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا اور ہمارے دوست مولانا یاسر ندیم صاحب کو تو دنیا جانتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سے بڑا کام لے رہا ہے، اس موقع پر میں سب سے پہلے تو معذرت کرتا ہوں کہ آپ حضرات کو انتظار کرنا پڑا اور مجھے آنے میں تاخیر ہوئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ محض فضل ہے کہ الحمدللہ اس دورافتادہ علاقہ میں ایمان کی بہار نظر آتی ہے، یہ سب ہمارے بزرگوں کی کوششوں اور آپ حضرات کی فکر کا نتیجہ ہے، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ یہ سلسلہ دراز ہوگا اور اس کے مزید فوائد سامنے آئیں گے، لیکن جہاں یہ خوش آئند پہلو ہمارے سامنے ہے، وہیں بہت سے خطرات بھی ہیں اور وہ خطرات آپ کے سامنے آتے بھی ہوں گے، خاص طور سے اس ملک میں جہاں مختلف ملکوں کے لوگ آتے اور رہتے ہیں۔

آپ سب واقف ہیں کہ اسلام جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے، وہ بے کم

وکاست اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے اور ہمارے بزرگوں کی کوششوں سے ہم تک پہنچا ہے، اس وقت جو حالات ہمارے سامنے ہیں، اس کی مختلف شکلیں سامنے لائی جا رہی ہیں اور اسلام کی نہ جانے کتنی قسمیں کر دی گئی ہیں، حالانکہ اسلام وہی اسلام ہے جو حضور کا اسلام تھا، جس میں اگر کوئی تقسیم کرتا ہے تو یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے، اسلام مکمل ہو چکا، دین مکمل ہو چکا اور یہ اعلان ہو چکا کہ

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْناً﴾ (المائدة: ٣)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کر لیا۔)

اب اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ حالات بدل گئے ہیں اور نئے تقاضے ہیں تو دین میں بھی کچھ تبدیلی کر دی جائے اور کچھ بنیادی فرق کر دیا جائے، فرائض وواجبات اور جو بنیادی چیزیں ہیں ان میں بھی حالات کی رعایت کر دی جائے، تو یہ ایک بہت بڑی بھول ہے، ایسا کبھی ممکن نہیں ہے، پھر دین مسخ ہو جائے گا اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہمیشہ اللہ نے ایسے افراد بھیجے جنہوں نے دین کو اپنی اصل شکل میں باقی رکھا، حدیث میں اس کا تذکرہ بھی ہے کہ

”يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين.“ (كنز العمال: ٢٨٩١٨)

(ہر نسل میں اس علم کے حامل ووارث ایسے عادل ومتقی لوگ ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب ودعوے اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔)

پتہ چلا کہ یہ کام ہوگا اور قیامت تک ہوگا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں جہاں دنیا کی مختلف قومیتیں ہیں اور میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اسلام کے بارے

میں جو غلط فہمیاں مختلف علاقوں میں ہیں اور مختلف ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے اسلام کی اپنی طرف سے ایک نئی تشریح پیش کی ہے، وہ نمائندگی بھی یہاں موجود ہے، اس سے بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، ہمیں اسلام کی وہ صحیح تصویر پیش کرنی ہے جو ہمارے بزرگوں نے اور ہمارے سلف نے ہم تک منتقل کی ہے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے صحابہؓ کے ذریعہ سے جو نظام چلا ہے وہ قیامت تک چلے گا، اللہ تعالیٰ اس دین کو اسی طرح باقی رکھے گا، لیکن بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کا کام یہی ہوگا کہ وہ دین میں کمی بیشی کریں گے، حدیث میں آتا بھی ہے کہ میری امت میں کتنے دجال پیدا ہوں گے، کذاب پیدا ہوں گے اور بعض مرتبہ تو دھوکہ ہوتا ہے کہ بڑا خوبصورت لبادہ اوڑھ کر اور بڑی اچھی خوبصورت زبان میں بعض مرتبہ دین کی ایسی ترجمانی محسوس ہوتی ہے کہ نہ جاننے والا دھوکہ کھا جائے۔

یاد رکھئے! ہمارے لیے منزل اصل ہے، میں اکثر عرض کرتا ہوں کہ راستہ اصل نہیں ہے بلکہ منزل اصل ہے، کتنا ہی خوبصورت راستہ ہو، آپ کو اس پر گاڑی نہیں دوڑانی، آپ کو دیکھنا ہے کہ جانا کہاں ہے؟ اگر خدانخواستہ ہم نے اس کو محسوس نہ کیا، تو اس کا ڈر ہے کہ ہم گاڑی دوڑاتے رہیں گے مگر ہمیں منزل نہیں ملے گی اور یہ خطرات ان ملکوں میں زیادہ ہیں، جہاں ایسے مفکرین نظر آتے ہیں، ان کو متفکرین کہیں تو شاید غلط نہ ہو اور بعض ایسے اصحابِ قلم اور بعض ایسے لسّان کہ جن کی باتیں سن کر ہمارا نوجوان طبقہ متاثر ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ ان کو کہاں لے جا رہے ہیں؟ بعض مرتبہ وہ آلہ کار ہوتے ہیں، میں ان پر الزام نہیں لگاتا بلکہ کبھی شعور کے ساتھ اور کبھی لاشعور میں ان کو استعمال کیا جاتا ہے، ایسے لوگوں سے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، دین کو اپنی اصل شکل میں جس طرح ہمارے بزرگوں نے پیش کیا، قیامت تک اسی نظام کے ساتھ ہمیں اپنے آپ کو آگے لے جانا ہے۔

میں کوئی لمبی بات نہیں کرتا اور نہ ہی اب وقت ہے، آپ لوگ یہاں دیر سے منتظر تھے، میں بس آپ سے یہی بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اس اصل دین کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھیں جو اللہ کے نبی ﷺ کی امانت اور مکمل دین ہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (البقرة: ۲۰۸)

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو بلا شبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔)

یہ نہیں چلے گا کہ اتنا ٹھیک ہے اور اتنا ٹھیک نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے جو فرمایا، جس پر عمل کیا اور کرایا، جو صحابہؓ نے سمجھا اور وہ نظام آگے بڑھایا، وہی ٹھیک ہے، باقی کچھ ٹھیک نہیں ہے، اسی پر ہمیں رہنا ہے، اسی پر ہمیں جینا ہے، اسی پر ہمیں مرنا ہے اور اسی کا ہمیں عزم بھی کرنا ہے، یہ ایسی چیز ہے کہ اس سے انشاء اللہ ہم محفوظ رہیں گے اور اگر خدانخواستہ ہم دنیا کی رنگ رلیوں پھنس گئے اور یہاں کی چمک دمک سے متاثر ہو گئے، تو یہ خطرہ کی چیز ہے۔ مجھے بعض چیزیں عجیب معلوم ہوئیں، پتہ چلا کہ یہاں کہیں ایک مسجد ہے، وہ صرف جمعہ کو کھولی جاتی ہے، کوئی دوسرے وقت نماز پڑھنے جائے تو اعتراض ہوتا ہے، ظاہر ہے یہ کون سا دین ہے کہ جمعہ پڑھ لیا اور اس کے بعد چھٹی مل گئی؟ ایک تو تساہل ہے وہ الگ چیز ہے اور ایک ہے عقیدہ بنا کر اور اپنی زندگی میں اس کو داخل کر کے اس پر عمل کرنا، یہ تو انحراف اور کھلی ہوئی گمراہی ہے، اسی کے متعلق حضرت صدیق اکبرؓ نے جو بات فرمائی تھی کہ حضور کے زمانہ میں اگر کوئی ایک رسی دیتا تھا اور اب نہیں دے گا تو ہم اس سے قتال کریں گے، ہم اس سے لڑیں گے۔

یاد رکھئے! یہ مکمل دین ہے، اللہ نے اس کو مکمل کر دیا ہے اور اللہ نے یہ ایسا دین دیا ہے جو ہر زمانہ کا ساتھ دیتا ہے اور زمانہ اس کا ساتھ دیتا ہے، ہم تطبیق دینے کی

کوشش کریں، ہم اگر اس میں کمی بیشی کریں گے تو اس کے تخت کا تختہ بنا دیں گے، قصہ مشہور ہے کہ دروازہ چھوٹا تھا اور تخت کو اندر لے جانا تھا، تو اسے ادھر ادھر سے کاٹا اور تخت کا تختہ بنا دیا، اسی طرح آج کے اس دور میں جو خدشہ ہوتا ہے کہ ہم موجودہ حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہیں کہ دین میں اتنا کم کر دیا جائے، اتنا گھٹا دیا جائے اور اتنا بڑھا دیا جائے، اس کے بعد وہ دین کہاں رہ جائے گا؟ ہمیں اپنا دروازہ ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے، جو قیمتی چیز ہم اندر داخل کر رہے ہیں، اگر اس میں ہم کمی بیشی کریں گے تو اس کی قیمت ختم ہو جائے گی۔

بس یہی اس وقت کی ضرورت ہے، ہمیں اس پر جمنا ہے اور لوگوں تک یہ بات پہنچانی ہے۔ ہمارے علماء اور نوجوان یہاں موجود ہیں، یہ بات اور بھی کہنے کی ہے، اگر انشاء اللہ مجھے موقع ملے گا تو میں جہاں تک یہ بات پہنچا سکوں گا، یہ عرض کروں گا اور یہ میری کیا بات اور میری کیا حقیقت، اصلاً تو یہ ہمارے بڑوں کی باتیں ہیں، انھی سے ہم نے سیکھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اور آپ کے جمع ہونے کو خیر کا ذریعہ بنائے، یہاں جو کام ہو رہا ہے اس پر مجھے بڑی خوشی ہے اور امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یہاں سے دین کا پیغام دنیا میں عام کرے اور یہاں کے لوگوں میں ایک عزم وحوصلہ بھی ہو اور اصل دین پر باقی رکھنے کے لیے تدبیریں بھی کی جائیں، نئی نسل کی حفاظت کی بھی فکر کی جائے، انشاء اللہ اس کے بہتر نتائج سامنے آئیں گے، اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ میں پھر آپ حضرات کا مشکور ہوں اور معذرت خواہ بھی کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ آپ کا یہ بیٹھنا صرف دین اور اللہ کے لیے ہے، اس کا انشاء اللہ اجر ملے گا۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

بینکوئٹ ہال شالیمار، شکاگو
۸؍فروری ۲۰۲۵ء

زندگی کا بنیادی مقصد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وبعد! أعوذ بالله من الشيطن الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ صدق الله العظيم.

محترم بھائیو اور دوستو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں پیدا کیا اور یوں ہی پیدا نہیں کر دیا بلکہ اس کا ایک مقصد ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾

(المؤمنون: ١١٥)

(کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی پیدا کر دیا اور تم پلٹ کر ہمارے پاس نہیں آؤ گے۔)

ہماری زندگی ایک امانت ہے اور یہ امانت ایسی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں جس طرح زندگی گذارنے کے لیے مکلّف کیا ہے، ہمیں اس کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے، ہمیں ہر لمحہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی میں خود مختار نہیں

ہیں، حدیث میں آتا بھی ہے:

"الدنيا سجن المؤمن و جنة الكافر"(صحيح مسلم: ٧٦٠٦)

(دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔)

اس دنیا کے اندر کافر آزاد ہے وہ جو چاہے کرے، مگر ایمان والا آزاد نہیں ہے، نہ وہ اپنی خواہشات میں آزاد ہے، نہ اپنے عمل میں آزاد ہے، نہ اپنی فکر میں آزاد ہے، حالات کچھ بھی ہوں اور زمانہ کتنا ہی بدل جائے لیکن ہمارے سامنے جو راستہ حضور اقدس ﷺ نے کھولا اور پھر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر چل کر دکھایا اور ہمارے سلف نے وہ راستہ ہمارے سامنے رکھا، قیامت تک کے لیے اللہ نے اس راستے کو ہمارے لیے طے کر دیا، اگر ہم اس سے دائیں بائیں ہوں گے تو اپنا نقصان کریں گے اور ہم اپنی منزل خود کھوٹی کریں گے۔

یہ زندگی جو اللہ نے ایک امانت کے طور پر دی ہے، ہم کہیں بھی ہوں، ہم کسی بھی ملک میں ہوں اور کسی بھی علاقہ میں ہوں، ہم کیسی ہی خوشیوں اور کسی طرح کے غم میں ہوں، ہر حال میں ہم کو اس کا مکلّف کیا گیا کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں رہیں، صحابہؓ سے منقول ہے کہ

"بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم علىٰ السمع والطاعة فى المنشط والمكره."(صحيح البخارى: ٧١٩٩)

(ہم نے رسول اللہ ﷺ سے طاعت وفرماں برداری کی بیعت کی، خوشی اور مصیبت دونوں حالتوں میں۔)

یہاں تک کہا گیا کہ حالات اچھے ہوں یا برے، سازگار ہوں یا ناسازگار، ہم نے ہر حال میں بیعت کی ہے طاعت پر، جو بھی کہا جائے گا اس کے مطابق ہمیں عمل کرنا ہے، ہمیں اپنی زندگی کو ایک امانت سمجھنا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ہم جس طرح چاہیں

اپنے جسم کا استعمال کریں، ہم جس طرح چاہیں اپنی عقل کا استعمال کریں اور جس طرح چاہیں اپنی energy کا استعمال کریں، بلکہ ہمیں جیسا کہا جائے گا وہ ہمیں کرنا ہے۔

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

(التوبة: ١١١)

(بلاشبہ اللہ نے ایمان والوں سے ان کے مالوں اور جانوں کو اس عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کے لیے جنت ہے۔)

یہ جو اللہ نے سودا کیا ہے، اس کا بدلہ جنت ہے، لیکن اگر کوئی قیمت ادا نہ کرے تو کیا اس کو اس کا بدل ملے گا؟ ہم قیمت ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، ہم اپنی جان کی قربانیاں دینے کے لیے تیار نہ ہوں، اپنے مال کی قربانیاں دینے کے لیے تیار نہ ہوں، ہم اپنے جذبات کی قربانیاں دینے کے لیے تیار نہ ہوں، ہم حالات کے آگے جھک جائیں اور سپر ڈال دیں، تو پھر خطرہ کی بات ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سے جو سودا کیا، اللہ کا ہم نے وہ حق ادا نہیں کیا، اس کے بعد اللہ کی طرف سے جو ہم کو بدلہ ملنا ہے، وہ بدلہ ہمیں کیسے ملے گا؟ میں آپ سے کہتا ہوں، آپ اس بہت ترقی یافتہ ملک میں رہتے ہیں، جہاں دنیا کے مختلف علاقوں کے لوگ آتے ہیں اور یہاں وہ اکثر وبیشتر حصول دنیا کے لیے آتے ہیں، حصول معاش کے لیے آتے ہیں، بے شک اس کی اجازت ہے کہ آپ تجارت کریں، آپ business کریں، آپ اس کے لیے ملکوں ملکوں جائیں، لیکن یہ یاد رکھیں کہ بحیثیت مسلمان کے ہماری اور آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟ ہمیں اپنے آپ کو سنبھالنا ہے اور اپنی آنے والی نسل کو بھی سنبھالنا ہے کہ وہ غلط راستے کی طرف نہ جائے، وہ الحاد کی طرف نہ جائے، اس کے نظریات میں کہیں

ایسی کجی نہ پیدا ہو کہ اس کے نتیجہ میں پھر ہمارے راستے کھوٹے ہوتے چلے جائیں اور آنے والی نسل دوسرے راستے پر پڑ جائے۔

آج ہمارے سامنے پوری دنیا میں چیلنجز ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خاص طور سے یہ ملک جس میں آپ رہتے ہیں، یہ وہ ملک ہے جو دنیا کو بہت کچھ سپلائی کرتا ہے، اگر آپ یہاں پر ایک ایسا Roll Play کریں، ایک ایسی زندگی آپ لوگوں کو دکھائیں کہ اس کے نتیجہ میں لوگوں کے اندر اسلام کے بارے میں ایک شوق پیدا ہو، ایک کشش پیدا ہو اور لوگ سوچیں کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں، مسلمانوں کے ایسے اخلاق ہوتے ہیں، مسلمانوں کی ایسی زندگی ہوتی ہے، ہم کو ایسے ہزاروں مواقع ملتے ہیں اور ہمارے سامنے ایسے مختلف حالات آتے ہیں کہ ہم اگر ایک اچھا نمونہ پیش کردیں تو کبھی کبھی وہ ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے، ہم اگر ایسے اخلاق پیش کریں کہ اس کو دیکھ کر اسلام کی صحیح تصویر لوگوں کے سامنے آئے، تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے راستے کھولے۔

میں آپ کو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا ایک قصہ سناتا ہوں، مولانا عبداللہ کاپودرویؒ جو بڑے محدث، بڑے ادیب و مفکر اور گجرات کے ایک بڑے عالم تھے، چند سال پہلے ان کی وفات ہوگئی، انہوں نے حضرت مولاناؒ کے ساتھ تقریباً ساٹھ سال پرانا اپنا یہ قصہ خود سنایا،، وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت مولاناؒ کے ساتھ لکھنؤ سے چلے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے یہاں حاضری کی نیت سے، ہم لوگ ٹرین میں اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے، وہاں دو نوجوان ہندو بھی سامنے تھے جن میں سے ایک اسمبلی کے ممبر بھی تھے اور دو ہم لوگ تھے، نیچے کی سیٹ مولانا کی تھی اور اوپر والی میری تھی، مولانا انسانیت و محبت کی اچھی اچھی باتیں کر رہے تھے، پھر رات کو لیٹنے کے وقت ایک بوڑھی ہندو عورت آئی جس کے تلک لگا ہوا تھا، وہ بولی کہ میری سیٹ اوپر کی ہے، نیچے کی سیٹیں جن کی ہیں وہ بھی senior citizen ہیں، میں ان

سے درخواست نہیں کرسکتی، اگر آپ میں سے کوئی مجھے اپنی نیچے والی سیٹ دے دے تو میں سو سکتی ہوں، ورنہ میں اوپر نہیں چڑھ سکتی اور مجھے رات بھر بیٹھنا پڑے گا، اس پر ان نوجوان ہندوؤں میں سے کوئی نہیں بولا، جب وہ واپس جانے لگی تو مولانا نے کہا کہ بہن! فکر نہ کرو، یہ نیچے کی سیٹ میری ہے، تم یہاں آکر سو جانا۔ اس نے دیکھا کہ ایک سفید داڑھی والا مسلمان سیٹ دینے کی پیشکش کر رہا ہے تو اس پر ایک اثر پڑا اور وہ چلی گئی، مولانا عبداللہ صاحب کا پودرویؒ نے کہا کہ مولانا! آپ نے تو بڑا غضب کیا، (دراصل مولانا کو اس وقت Gout کی تکلیف تھی اور نظر بھی نہیں آتا تھا، ان کی آنکھ کا آپریشن یہیں امریکہ میں ۱۹۷۷ء کو ہوا، اس کے بعد الحمدللہ ان کی بینائی بحال ہوگئی) تو مولانا عبداللہ صاحب نے کہا کہ آپ نے اپنی سیٹ دے دی اور آپ کو معذوری بھی ہے، اب آپ کیا کریں گے؟ آپ تو اوپر نہیں چڑھ سکتے، تو حضرت نے جو بات کہی، میں وہی بات آپ کے حوالہ کرنا چاہتا ہوں، حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ مولوی عبداللہ! اسلام کا اخلاقی نظام پیش کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا، اگر کبھی اس کا موقع ملے تو اس کو گنوانا نہیں چاہیے۔ اس واقعہ کی روشنی میں سوچنا چاہیے کہ آج ہمیں کتنے ایسے مواقع ملتے ہیں کہ ہم ایک اچھا نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔

میرے دوستو اور بھائیو!

اللہ نے یہ زندگی ہمیں ایک امانت کے طور پر دی ہے، اس لیے نہیں دی کہ ہم جو چاہیں کریں بلکہ اس لیے دی ہے کہ ہم اللہ کی بندگی کے ساتھ جئیں، اللہ کے حکموں کے مطابق عمل کریں اور اللہ کی بندگی صرف اس میں تنہا نہیں ہے کہ جو عبادات و فرائض ہیں، ہم ان کو ادا کرلیں اور یہ سمجھیں کہ ہم نے حق ادا کردیا، یقیناً یہ فرائض بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، عقائد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن اسلام کا جو اخلاقی نظام ہے، اسلام کے معاملات کی جو پوری تفصیلات ہیں، اگر ہم نے ان کو نظر انداز کیا تو یاد رکھیں

کہ ہم خطرہ میں ہیں اور اس لیے خطرہ میں ہیں کہ اگر ہم نمونہ نہیں پیش کر سکے تو شاید ہم صحیح زندگی نہیں جی سکیں گے اور جب دباؤ بنے گا اور جب گھیرا تنگ ہوگا، تو خود ہمارے لیے نمازوں کا پڑھنا شاید مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے یہ بڑی ضرورت ہے کہ ہم یہاں سے یہ طے کر کے جائیں کہ ہمیں انشاء اللہ اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دینی ہے، جان کی قربانی دینی ہے، مال کی قربانی دینی ہے اور سب سے بڑھ کر جذبات کی قربانی دینی ہے، انشاء اللہ اگر ہم نے یہ طے کر لیا تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے کیا نتائج آپ کے سامنے آتے ہیں اور خاص طور پر اس ملک اور اس شہر میں جہاں الحمدللہ اس وقت آپ کی ایک بڑی تعداد ہے، آپ دنیا کے مختلف ملکوں سے یہاں آئے ہیں اور یہاں پوری دنیا کے لوگ آتے ہیں، اگر آپ کوئی اچھا نمونہ پیش کریں گے تو وہ نمونہ انشاء اللہ ساری دنیا کے سامنے جائے گا، دنیا کے اور ملکوں میں جو کوششیں ہوتی ہیں، وہ محدود ہوتی ہیں، وہ ملکوں تک رہتی ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی کوششیں وہ ہیں جن کے اثرات ساری دنیا تک پہنچ سکتے ہیں، اس لیے اگر ہم نے یہ طے کر لیا کہ ہم انشاء اللہ میدان عمل میں آئیں گے، ہم نمونہ کی زندگی اختیار کریں گے، ہم اللہ کی بندگی کو اصل سمجھیں گے اور اس کے لیے وہ راستہ جو ہمارے سامنے کھولا گیا ہے، ہم انشاء اللہ اسی راستے پر چلیں گے اور کوئی ایسا طریقہ جو دین سے ہٹا ہوا ہو، جو ہماری خواہشات سے تعلق رکھتا ہو اور ہم سمجھتے ہوں کہ اس ترقی یافتہ دور میں اس پرانے نظام کی اب کیا ضرورت ہے، یاد رکھئے! ہماری کامیابی اللہ نے اسی میں رکھی ہے کہ ہم پیچھے ہٹتے چلے جائیں، یہاں تک کہ صحابہ کی صف سے جا کر مل جائیں، دنیا کی ترقی جس میں بھی ہو، دنیا کے وسائل جو کچھ بھی ہیں، ہم آگے بڑھیں، ہم ترقی کریں، لیکن ہمارا وہ نظام جو ہمارے آقا حضرت محمد عربی ﷺ نے ہم کو دیا ہے، وہ ہمارے سامنے ہونا چاہیے، وہ زندگی کا ایسا نمونہ ہے جس کی انسانیت کو ضرورت ہے اور ساری دنیا کو

ضرورت ہے، آپ جانتے ہیں کہ دنیا کس بے چینی کا شکار ہے، کوئی مکمل نظام اس کے سامنے نہیں، کوئی صحیح کلچر اس کے سامنے نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ امانت آپ کو دی ہے، یہ امانت آپ کے سینوں میں ہے اور کتابوں میں ہے، ہمیں وہ امانت پیش کرنی ہے، انشاء اللہ اگر ہم نے یہ طے کیا کہ ہم نمونہ دیں گے اور ہم دنیا کی ضرورت کو پورا کریں گے، دنیا جس چیز کی پیاسی ہے، جس چیز کی اس کو بھوک ہے، انشاء اللہ ہم اس غذا کو فراہم کریں گے، اس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے وہ فیصلے ہوں گے جس کی ہمیں ضرورت ہے اور جس کے ہم منتظر ہیں۔

میں آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں، آپ ایک خیر کے کام کے لیے جمع ہوئے، آپ نے جس حیثیت سے بھی اس میں آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یہ آپ کے لیے خیر و برکت کی چیز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے عزائم میں برکت دے، آپ کے کاموں میں برکت دے، اس ملک کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے ہدایت کے لیے قبول فرمائے، دلوں کو ہدایت کے لیے کھول دے اور اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں قبول کر لے اور اس کا ذریعہ بنائے، میں آپ کو پھر مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ مجلس ایک مبارک مجلس ہوگی اور یہاں سے خیر کا انشاء اللہ آغاز ہوگا، یہ مسجدوں کی تعمیر، یہ مدرسوں کی تعمیر، یہ تعلیم کے مختلف مراکز، اسکول ہوں، یا جو بھی دینی تعلیم کی مختلف کوششیں کی جارہی ہیں، ان کی مختلف تدابیر کی جائیں، یہ سب اللہ کی رضا کے ذرائع ہیں، انہی ذرائع سے ہم بہت آگے جاسکتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی اس کوشش اور اس محنت کو قبول کرے اور آپ کے آنے کو قبول کرے اور اللہ تعالیٰ یہاں سے ایمان کی ایک نئی روشنی پیدا فرمائے، اس سے وہ تاریک دل روشن ہوجائیں جن کو آج بڑی ضرورت ہے رہنمائی اور روشنی کی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کے لیے قبول فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

مسجد بیلی وائی، سیاٹل
۹ر فروری ۲۰۲۵ء

امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین وبعد! أعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو مسلمان بنایا، ایمان کی دولت اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اس کا اندازہ عام طور پر وہ لوگ نہیں کر پاتے جن کو گھر بیٹھے یہ نعمت بغیر کسی طلب اور بغیر کسی مشقت کے مل جاتی ہے، لیکن جن لوگوں نے بڑے مجاہدے اور قربانی سے یہ نعمت حاصل کی ہے' ان کے دل کی دنیا ہی کچھ الگ ہوتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہاں اس ملک میں رکھا ہے، اس میں ایک بڑی تعداد وہ ہے جو دنیا کے مختلف ملکوں سے آ کر یہاں آباد ہوئی ہے اور ہمارے کچھ وہ بھائی بھی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی ہے اور وہ اسی ملک کے باشندے ہیں۔ خاص طور سے جو دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے ہمارے بھائی ہیں، ان پر بڑی ذمہ داری ہے، انہیں خود اپنے آپ کو بھی سنبھالنا ہے اور جو ہمارے یہاں کے ایمان والے بھائی ہیں، ان

کی بھی فکر کرنی ہے اور صرف ان کی ہی فکر نہیں کرنی ہے بلکہ ایک داعی امت کی حیثیت سے انہیں ساری انسانیت کی فکر کرنی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنے لیے پیدا نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

گویا ہمیں اور آپ کو عالم انسانیت کے لیے برپا کیا گیا، لیکن یاد رکھئے! جب تک ہم خود اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکیں گے، جب تک ہم اپنے آپ کو دین پر نہیں جما سکیں گے اور جب تک ہم اپنے آپ کو اللہ کے نبی ﷺ کے دیئے ہوئے طریقوں کو پوری طرح سمجھ کر، پوری استقامت کے ساتھ اس پر نہیں لگا سکیں گے، اس وقت تک ہم دوسروں تک صحیح بات نہیں پہنچا سکیں گے۔ سب سے پہلی ذمہ داری خود ہماری ہے، ہماری آنے والی نسلوں کی ہے کہ ہمیں کس طرح اپنے آپ کو سنبھالنا ہے؟! خاص طور پر ایسے ملک میں جہاں مختلف تہذیبیں ہیں، مختلف کلچرز (Cultures) ہیں، مختلف ازمس (Isms) ہیں اور پھر جو وسائل ہیں؛ میڈیا (Media) ہے، پوری دنیا کو اس نے ایک گھروندا بنا دیا ہے، ان حالات میں اگر خدانخواستہ بجائے اس کے کہ ہم مؤثر بنیں، ہم متاثر ہوتے چلے گئے تو ہم دنیا میں کوئی Roll Play نہیں کر سکتے، ہمیں مؤثر بننا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں کچھ دے کر بھیجا ہے، ہمیں ان چیزوں کو خود سمجھنے کی بھی ضرورت ہے، اگر خدانخواستہ ہم گرد و پیش سے متاثر ہوئے اور ہمارے اندر بدلاؤ پیدا ہوا اور ہم کو پوری طرح سے دین پر استقامت حاصل نہیں ہو سکی تو یاد

رکھئے! یہ سخت خطرہ کی بات ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کے اوپر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کے دوسروں ملکوں میں رہنے والوں پر اس طرح یہ ذمہ داری شاید نہیں عائد ہوتی، اللہ نے آپ کو ایسی جگہ رکھا ہے، جہاں سے دنیا کو ٹیکنالوجی سپلائی ہوتی ہے، جہاں سے دنیا کو سہولیات ملتی ہیں لیکن جو اصل دولت ہے جس کا تعلق انسان کے اندرون سے ہے، جس کا تعلق انسان کے دل سے ہے، جس کا تعلق انسان کے دماغ سے ہے، اصل مسئلہ اس کا ہے، جو انسان کا اصل امتیاز ہے، ورنہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہے؟ اگر وہ اچھے اور برے کا فرق نہیں جانتا، اگر وہ دوسروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے جو خودغرضی پر مبنی ہے تو انسان اور دوسرے جانور میں کوئی فرق نہیں۔ اس لیے ہمیں اپنے امتیاز کے ساتھ رہنا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بحیثیت انسان کے ہمارے اوپر جو ذمہ داریاں رکھی ہیں اور سرکار دوعالم ﷺ نے ہمیں جو نظام زندگی عطا فرمایا ہے، وہ ہمارے لیے سب سے بڑی دولت ہے، وہ اللہ کی ایسی نعمت ہے کہ اگر ہم وہ دوسروں کے سامنے رکھیں تو سچی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہماری جو قیمت ہے، ہمیں خود اس قیمت کا شاید تب اندازہ ہو، جب ہم لوگوں کے سامنے اس نمونہ کی زندگی کے ساتھ آئیں گے جس کی دنیا کو ضرورت ہے۔

یہ دنیا کیا ہے؟ یہاں کے بسنے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ضرورت کو دیکھتے ہیں، ان کی ضرورت جہاں سے پوری ہوگی وہ ادھر جائیں گے، وہ ضرورت پوری کرنے والوں کی قدر کریں گے، آپ سب جانتے ہیں کہ امریکہ کی اہمیت کیا ہے؟ امریکہ نے جو ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کی ہے اور زندگی کی سہولتیں جو ہمیں دی ہیں، ساری دنیا میں ان کا چرچا ہے، یہ جو ایجادات ہیں، ان کی وجہ سے آج اس ملک

کی دنیا بھر میں قدر و قیمت ہے، اب اس کے پیچھے جو کچھ بھی ہو، اس سے ہمیں بحث نہیں لیکن اس میں کیا شبہ ہے کہ بہت سی سہولتیں ہمیں یہاں سے حاصل ہوئی ہیں اور ساری دنیا کو حاصل ہوئی ہیں اور دنیا اسی لیے اس کا سکہ مانتی ہے، چاہے اس کے دوسرے نتائج کے اعتبار سے اور اس کے نتیجہ میں جو سخت حالات پیدا ہوتے ہیں اس کے اعتبار سے اس کو لوگ دوسری نظر سے دیکھتے ہوں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا کو اس ملک نے جو کچھ دیا ہے، اس کی وجہ سے اس کی قیمت ہے، اگر آپ اس ملک میں رہتے ہوئے یہ کوشش کریں کہ ہمیں وہ دولت تقسیم کرنی ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے اور جو انسانیت کی ایک ضرورت ہے، انسان کے اندر اللہ نے جو دل و دماغ رکھا ہے، وہ دل بے چین ہوتا ہے، دماغ نہ جانے کہاں کہاں گھوڑے دوڑاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس کو کہاں سے وہ سرا مل سکتا ہے جس سرے کی وہ تلاش میں ہے، ظاہر ہے وہ سرا آپ کے پاس ہے اور وہ نعمت آپ کے پاس ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے یہاں تقریر میں یہ بات کہی تھی کہ میں امریکہ کو سب سے بڑا خوش قسمت ملک سمجھتا ہوں اور سب سے بڑا بدقسمت ملک بھی سمجھتا ہوں، پھر مولاناؒ نے کہا کہ آپ کو تعجب ہوگا کہ میں یہ دو متضاد باتیں کیوں کہہ رہا ہوں؟ مولانا نے فرمایا کہ میں خوش قسمت اس لیے سمجھتا ہوں کہ اس ملک نے اپنی ایجادات اور اپنی ٹیکنالوجی سے دنیا کو ایسے سامان سے بھر دیا جو انسانوں کی سہولت کے لیے ہے، جس سے ہمیں بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، لیکن مولانا فرماتے تھے کہ میں بدقسمت اس لیے سمجھتا ہوں کہ جو نظام زندگی یہاں ہونا چاہیے، جو اخلاق ہونے چاہئیں، زندگی کا جو سرا ہونا چاہیے، اللہ کی جو پہچان ہونی چاہیے، بندوں کے ساتھ جو سلوک ہونا چاہیے، آج یہ ملک اس سے بے بہرہ ہے اور اس سے واقف نہیں ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو یہ دولت دی ہے، اللہ نے آپ کو ایمان دیا

ہے، اللہ نے آپ کو اخلاق کی وہ طاقت دی ہے جس کے پیچھے بہت کچھ چھپا ہوا ہے، آپ اس دولت اور طاقت کو عام کیجیے۔

حضرت مولاناؒ آج سے بہت پہلے ۱۹۷۷ء میں جب یہاں تشریف لائے تھے، تو اس وقت حالات کچھ اور تھے، لیکن آج میں دیکھتا ہوں تو الحمد للہ مجھے خوشی ہوتی ہے، یہاں کی مسجدیں، یہاں کے مدرسے، یہاں کے لوگوں کی فکر، یہ ایک بڑی دولت ہے، لیکن یاد رکھئے! ہم جس جگہ پر ہیں، یہاں ہمارے سامنے جو مختلف تہذیبیں ہیں، مختلف لوگوں کے خیالات وتصورات اور افکار ہیں، اگر اپنے آپ کو ہم نے بچا کر نہیں رکھا تو اس کا ڈر ہے کہ کہیں ہم غلط رخ کی طرف نہ چلے جائیں۔

ساری دنیا میں اگر آپ دیکھیں گے تو اس وقت اسلام کے خلاف سازشیں اور ایک پلاننگ ہے، میں مسلمانوں کے خلاف نہیں کہتا لیکن اسلام کے خلاف ہے، لوگ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان رہیں، لیکن اسلام سے کٹ کر رہیں، اسی لیے اسلام میں ایسی ہزاروں باتیں پیدا کی جاتی ہیں جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس لیے اس وقت ہم پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہمیں اپنے عقیدہ کے اعتبار سے، اپنی فکر کے اعتبار سے، اپنے عمل کے اعتبار سے، اپنے دعوتی مزاج کے اعتبار سے پورے جماؤ اور پوری استقامت کے ساتھ اس ملک میں رہنا ہے۔ آپ پر یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے، اگر آپ نے یہ طے کرلیا اور آپ نے یہ سوچا کہ اللہ نے اس ملک میں ہمیں رکھا ہے جو دینے والا ملک ہے، جو دنیا کو بہت کچھ دے رہا ہے، لیکن انشاء اللہ ہمارا یہ ایمان اور ہمارے اخلاق کی یہ طاقت اور فکر کی یہ استقامت انشاء اللہ ہم جماؤ کے ساتھ جب یہاں رہیں گے تو کیا بعید ہے کہ پھر اس ملک سے دنیا کو وہ دولت ملے جس کی آج دنیا کو سب سے بڑھ کر ضرورت ہے، آج جس طرح لوگ پریشان ہیں، بے چین ہیں، ہم اپنے ملک میں دیکھتے ہیں کہ کوئی کسی دریا کے کنارے پڑا ہوا ہے، کوئی کسی مٹھ کے

چکر لگا رہا ہے، لوگ سکون کی تلاش میں ہیں، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سکون اپنی محبت میں رکھا ہے، اللہ کی محبت ایسی چیز ہے جب دل کے اندر وہ سماتی ہے تو آدمی دنیا کو جنت محسوس کرتا ہے، آج سب سے بڑھ کر اسی کی ضرورت ہے۔

اللہ کی محبت سچی بات یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے، اللہ کے دھیان سے پیدا ہوتی ہے، اللہ کا جو دیا ہوا نظام زندگی ہے اس نظام کو اختیار کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اگر ہم یہاں یہ طے کرلیں کہ ہم ایک نمونہ کی زندگی انشاء اللہ پیش کریں گے، ہم دوسروں کے لیے ایک ایسے قیمتی ماڈل بن جائیں گے اور ایسا **Roll Play** کریں گے کہ لوگ ہمیں دیکھیں گے تو ان کو اسلام کی تصویر نظر آئے گی، اگر خدانخواستہ اس سے ہٹ کر ہم چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھ گئے اور وہ جھگڑے اور وہ بکھیڑے جو ہمارے ملکوں میں ہیں، وہ ہم نے یہاں بھی پیدا کردیئے تو آپ یاد رکھئے کہ آپ خود اپنا بھی نقصان کریں گے اور عالم انسانیت کا بھی نقصان کریں گے، آپ جس ملک میں رہتے ہیں، اس حیثیت سے آپ کی ذمہ داری دو چند وسہ چند ہوجاتی ہے کہ آپ اگر یہ نمونہ پیش کریں گے تو یہ نمونہ ساری دنیا میں جائے گا اور لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں گے، لیکن یہ نمونہ جب ہوگا جب آپ خود کو پوری استقامت کے ساتھ دین پر قائم رکھیں، اپنے عقیدہ کی حفاظت کریں، اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا' یہ ایک مکمل دین ہے، ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيناً﴾ (المائدة: ٣)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کرلیا۔)

اللہ نے جو دین ہمارے لیے طے کیا' وہ اسلام ہے، اسلام کس کو کہتے ہیں؟

اسلام کا مطلب ہے: اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کردینا، ہماری کوئی مرضی نہیں ہے، ہماری کوئی خواہش نہیں ہے، ہمارے کوئی تقاضے نہیں ہیں، اب جو اللہ کا حکم ہوگا اس کے مطابق ہمیں اپنی زندگی گذر بسر کے ساتھ آگے بڑھانی ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ ان کے بارے میں اللہ نے کیا کہا؟ فرمایا:

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(البقرة: ١٣١)

(جب ان سے ان کے رب نے کہا کہ سر تسلیم خم کردو، وہ بولے کہ میں تو رب العالمین کا ہو چکا۔)

آج ہم پر بحیثیت مسلمان کے سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں جو نظام دیا، اس کے بعد ہمیں کوئی نیا نظام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہم کوئی نئی تہذیب تلاش کریں؟! کوئی نیا کلچر تلاش کریں؟! کوئی نیا نظام زندگی تلاش کریں؟! شادیوں کے نئے طریقے تلاش کریں؟! اس کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا' یہ ایک مکمل دین ہے، یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اللہ نے ہم کو ایسا طریقہ دیا جس میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیا گیا، ہاں! یہ زمانہ کی نئی نئی ایجادات ہیں، یہ نئے نئے اکتشافات ہیں اور ہمارے سامنے جو نئی نئی چیزیں آرہی ہیں، ان کا حل ہمارے سامنے موجود ہے، قرآن مجید میں، حدیثوں میں، سیرت میں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی میں، ان کو سامنے رکھ کر ہمیں ان کا حل پیش کرنا ہے، لیکن کوئی نیا نظام، کوئی نیا اصول اور کوئی نئی زندگی ہمیں پیدا نہیں کرنی بلکہ وہی زندگی جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمارے سامنے رکھی، وہ زندگی ہمارے لیے کامیابی کا راستہ ہے اور اسی پر ہمیں جمنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

(اے ایمان والو! اللہ سے اسی طرح ڈرتے رہو جیسے اس سے ڈرنا چاہیے
اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔)

مسلمان کس کو کہتے ہیں؟ حقیقی مسلمان وہ ہے جو اللہ کے سامنے بالکل جھک جائے، جس کی اپنی کوئی خواہش نہ ہو بلکہ وہ اللہ کے حکموں پر چلنے والا ہو اور اس پر اپنے آپ کو جمانے والا ہو، اگر کوئی اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ یہ بڑا ترقی یافتہ ملک ہے، یہاں کے بہت سے تقاضے ہیں، ہمیں ان تقاضوں کو **Follow** کرنا ہے اور ایک نئی زندگی پیدا کرنی ہے، تو آپ یاد رکھیں! یہ ایک بہت بڑی بھول ہے، اللہ نے آپ کو یہ زندگی دی ہے، یہ بھرپور وسائل دیئے ہیں، اس کے ساتھ ایمان کی یہ طاقت اور اخلاق کی یہ جہانگیری دی ہے، اگر آپ ان تمام چیزوں کے ساتھ میدان عمل میں آئیں تو واقعہ یہ ہے کہ آپ کی حیثیت **Actor** کی نہیں' آپ کی حیثیت **Factor** کی ہے، آپ کی حیثیت بنیادی ہے، آپ دینے والے ہیں، آپ لینے والے نہیں ہیں۔ آج دنیا کو ضرورت ہے اس نظام کی جو نظام اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو دیا ہے، آپ اگر یہ طے کرلیں کہ ہمیں اس نظام کو اپنی زندگی میں پوری طرح جاری کرنا ہے اور ہمیں اس کی کوشش کرنی ہے کہ کہیں بھی اس میں ذرا انحراف نہ ہو، کہیں ہم غلط راستے پر نہ پڑ جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ملک میں جو مختلف مذاہب اور مختلف علاقوں کے کے لوگ بستے ہیں' ان کی کوئی چیز ہمیں بھا جائے اور ان کی کوئی چیز ہمیں اچھی لگ جائے، یاد رکھئے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی بھی مثالیں قرآن مجید میں پیش کی ہیں، ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ﴾ (المنافقون: ٤)

(اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں)

یعنی جب تم ان کو دیکھو گے تو تمہیں وہ بڑے اچھے لگیں گے، وہ ایک جگہ پر ایستادہ ہیں، ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں، ظاہری طور پر وہ چیزیں بڑی خوش نما معلوم

ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں بالکل خالی ہیں، آج جو کچھ بھی ہمیں اس دنیا کی زیب وزینت نظر آتی ہے اور یہ ساری سہولتیں نظر آتی ہیں، کبھی کبھی آدمی اس میں کھو جاتا ہے، اس کا دماغ اس سے متاثر ہوتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ اصل کیا چیز ہے؟ اصل چیز ہمارے دل کا وہ سکون ہے جو اللہ کی محبت اور اس کے ذکر سے پیدا ہوتا ہے، یہ دولت اللہ نے ہمیں دی ہے، اس سے دنیا خالی ہے اور آج دنیا اسی کی ضرورت مند ہے، کتنے لوگ ہیں جو راتوں کو نیند کی گولیاں کھا کھا کر سوتے ہیں، ان کو نیند نہیں آتی، وہ بے چین رہتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ چین وسکون ایمان کے اندر رکھا ہے اور اس نے یہ ایمان ایک نعمت کے طور پر ہمیں دیا ہے، ہم ایسے گھروں میں پیدا ہوئے جہاں اللہ کا فضل تھا کہ ہمارے ماں باپ مسلمان تھے، یا اللہ نے جس کو ایمان عطا فرمایا، وہ ایمان میں داخل ہوا، اس کے لیے یہ کیسی غیر معمولی نعمت ہے، ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی ہے۔

یاد رکھیے! اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾

(ابراهيم: ۷)

(اور جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم نے احسان مانا تو ہم تمہیں اور دیں گے اور اگر تم نے ناشکری کی تو میری مار بڑی ہی سخت ہے۔)

اللہ کی طرف سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ اگر تم احسان مانو گے اور شکر کرو گے تو نعمت میں اضافہ ہوگا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یاد رکھو! ہمارا عذاب بڑا سخت ہے اور عذاب کیا ہے؟ عذاب یہ ہے کہ اللہ وہ نعمت چھین لیتا ہے، آج دنیا کے مختلف ملکوں میں آپ جائیے تو آپ کو یہ حقیقت نظر آئے گی کہ جہاں جہاں اس ایمان کی ناقدری ہے، وہاں ارتداد کے واقعات ہمارے سامنے آ رہے ہیں، ایمان سے لوگ پلٹ رہے ہیں، صرف اس لیے کہ اس نعمت کی ہم سے ناقدری ہو رہی ہے، اللہ نے ہمیں

اورآپ کو یہ نعمت دی ہے تو ہم یہ طے کریں کہ ہمیں اس پر جمنا ہے، چاہے ہمیں قربانی دینی پڑے، چاہے تھوڑا سا اپنے نفس کے خلاف چلنا پڑے، یہاں کے حالات جو بھی ہوں، لیکن اپنے پورے جماؤ اور استقامت کے ساتھ ہمیں اس نظام زندگی کو اختیار کرنا ہے جو پورا کا پورا اللہ کا دیا ہوا نظام ہے، جس میں سب کچھ ہے، اس میں عقائد بھی ہیں، اس میں عبادات بھی ہیں، اس میں معاملات بھی ہیں، اس میں معاشرتی زندگی بھی ہے، اس میں آپس کے روابط وتعلقات بھی ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا بیان بھی ہے، یہاں تک ہمیں بتایا گیا کہ جانور کا کیا حق ہے؟ ہمیں کسی چیز میں آزاد نہیں چھوڑا گیا۔حدیث میں آتا ہے کہ

"الدنیا سجن المؤمن و جنۃ الکافر"(صحیح مسلم: ۷۶۰۶)
(دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔)

اس دنیا میں کافر آزاد ہے جو چاہے کرے، لیکن ایمان والا آزاد نہیں ہے، وہ پابند ہے، اگر ہم خدانخواستہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کریں، ہمیں اسلام نے بڑی آزادی دی ہے، آزادی کا مطلب کیا ہے؟ یقیناً اسلام نے ہمیں آزاد کیا، ایک دور تھا کہ آدمی اپنی عادتوں کا غلام تھا، اپنی خواہشات کا غلام تھا، زمانہ جاہلیت میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، اس وقت بڑی بڑی حکومتیں تھیں، رومن امپائر (Roman Empire) اور پرسیچین امپائر (Persian Empire) کے حکمرانوں کی زندگیاں دیکھئے تو لگتا تھا کہ وہ اپنی عادتوں کے غلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسی آزادی دی اور ایک ایسی وسیع دنیا عطا فرمائی جس کا پہلے کوئی تصور نہیں تھا، حضرت ربعی بن عامر جب وہ رستم کے دربار میں گئے، اس بھرے دربار میں انہوں نے وہ جملے ادا کیے جو اس بات کے شاہد ہیں، انہوں نے یہ بات کہی کہ

"اللّٰہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد إلیٰ عبادۃ اللّٰہ وحدہ،

ومن ضيق الدنيا إلىٰ سعتها، ومن جور الأديان إلىٰ عدل الإسلام“

(تاریخ الطبری: ۲/۴۰۱)

(ہمیں اللہ نے بھیجا ہے تا کہ ہم لوگوں کو بندوں کی بندگی سے ایک اللہ کی عبادت کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے جور وظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔)

اللہ کے بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لانا' یہ آخری درجہ کی بات ہے، دوسری بات جو انہوں نے فرمائی وہ بھی آخری درجہ کی بات ہے، اگر وہ صرف یہ کہتے کہ ہمارا مقصد لوگوں کو دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعت کی طرف لانا ہے تو شاید کافی ہوتا، لیکن انہوں نے وہ حقیقت یاد دلائی جو اسلام کی خوبی ہے کہ اسلام ہماری دنیا کی اس زندگی کو ایک راستہ دیتا ہے، وہ ترقی عطا فرماتا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو دنیا کی تنگیوں سے اس دنیا کی وسعتیں عطا کریں اور آخرت کی وسعتیں بھی عطا کریں۔

یہ دنیا کی تنگی کیا تھی؟ آدمی اپنی عادتوں کا غلام تھا، یزدگرد جب بھاگا ہے تو تاریخ میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ ایک ہزار لوگ تھے جن میں گویئے اور کھانا پکانے والے بھی تھے، مگر وہ کہتا تھا کہ اتنے کم عملے کے ساتھ میں کیسے زندگی گذاروں گا؟! اسی طرح وہ گذر رہا تھا تو اس کو راستے میں پیاس لگی، ایک جھونپڑا تھا، وہاں پانی مانگا، مٹی کے آب خورے میں پانی دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں اس میں پانی نہیں پی سکتا، میں تو سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینے کا عادی ہوں، میں مر جاؤں گا لیکن پانی نہیں پی سکتا، وہ اس حد تک اپنی عادتوں کا غلام تھا۔

کیا آج ہماری زندگی اس غلط رخ کی طرف نہیں جا رہی ہے؟ جو کچھ سماج میں ہو رہا ہے، جو کچھ ہمارے سامنے تماشے چل رہے ہیں، کبھی کبھی آدمی مجبور ہو کر ان

چیزوں کو اختیار کرتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں وسعتیں عطا کی ہیں کہ ہم آزاد ہیں، اسلام جس طرح تعلیم دیتا ہے اور جو زندگی ہمیں سکھاتا ہے، ہمیں کسی کی پابندی کی ضرورت نہیں، ہمیں اپنی عادتوں کا غلام بننے کی ضرورت نہیں، ہمیں دنیا کو اسلام پر چل کر دکھانا ہے کہ اللہ نے اس دنیا کی زندگی میں کیسی سہولتیں رکھی ہیں، ہم نے اس دنیا کی زندگی کو مصیبت بنایا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی ایسی بنائی تھی کہ اگر ہم اس پر عمل کر کے آگے بڑھتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں وہ سکون دیتا، وہ آسانیاں دیتا، دنیا کی وہ وسعتیں عطا فرماتا جس کا تصور بھی مشکل تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ موقع دیا کہ ہم مکمل دین پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایسی جگہ پیدا فرمایا، یا ایسی جگہ لے آیا، اب ہم پر یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ جب لوگ ہم کو دیکھیں، ہمارے اخلاق کو دیکھیں، ہمارے ایمان کو دیکھیں، ہمارے ایمان کی طاقت کو دیکھیں، تو ان کے اندر ایک سوچ پیدا ہو، ایک احساس پیدا ہو کہ آخر یہ کہاں کے لوگ ہیں اور کیا ان کی زندگی ہے؟ ان کے اندر کیسے اخلاق ہیں؟ اگر ہم یہ نمونہ پیش کریں گے تو لوگوں کے اندر ایک تجسس پیدا ہوگا، اسلام کے جاننے کا ان کے اندر ایک شوق پیدا ہوگا اور یہ چیز انشاءاللہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے گی اور یہاں سے جو چیز چلے گی وہ انشاءاللہ ساری دنیا میں پہنچے گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، عرب سے اسلام چلا، محمد عربی ﷺ جہاں پیدا ہوئے، جہاں سے ہمیں دین ملا، لیکن اس دین پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، ہندوستان میں بڑے بڑے علماء اپنے وقت میں پیدا ہوئے، اس کے علاوہ بھی نہ جانے کتنے بڑے بڑے ملک ہیں مثلاً: مصر ہے جس میں کیسے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، لیکن یاد رکھئے! اللہ کا نظام یہ ہے کہ جو کرے گا اس کو ملے گا، جب جب انہوں نے یہ کوشش کی اور محنت کی، اللہ نے ان کو یہ مقام دیا کہ انہوں

نے دنیا کی رہنمائی کی، میں سمجھتا ہوں کہ اگر آج آپ طے کرلیں کہ ہمیں اس مقام تک پہنچنا ہے، ہمیں پورے دین کو سمجھنا ہے، ہمیں اس پر پوری طرح جمنا ہے اور ہمیں ایک نمونہ کی زندگی اختیار کرنی ہے تو کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے ذریعہ سے پورے عالم میں ہدایت کا سامان فرمائے اور آپ کے ایمان کی روشنی یہاں سے چلے اور یہاں سے دنیا کی تاریکیاں روشن ہوں۔

میرے بھائیو اور دوستو!

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت آپ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، میں نے یہ بات اس لیے عرض کی کہ جب میں یہاں آیا تو میں نے یہاں کے مدارس دیکھے، یہاں کے لوگوں کا جذبہ دیکھا، مجھے قدر آئی اور بڑی خوشی ہوئی کہ الحمدللہ آپ لوگ آگے بڑھ رہے ہیں، لیکن یہ جو دو تین خطرات ہیں اس سے اپنے آپ کو بچانا بہت ضروری ہے۔ یہ اسلام اللہ کے نبی ﷺ کا دیا ہوا اسلام ہے، ایسا نہیں ہے کہ امریکہ کا اسلام الگ ہو، جاپان کا اسلام الگ ہو اور ہندوستان کا اسلام الگ ہو، کسی کہنے والے نے یہ بات کہی کہ سنت اور بدعت کا یہی فرق ہے، بدعت ہر جگہ الگ الگ ملے گی لیکن سنت اور اسلام کا وہ صحیح طریقہ جو اللہ کے نبی ﷺ نے ہم کو دیا ہے وہ ساری دنیا میں ایک ہے، ایک تھا اور قیامت تک ایک رہے گا، اس میں کوئی فرق نہیں ہوسکتا، عقیدہ بھی وہی ہے، اعمال بھی وہی ہیں، عبادتیں بھی وہی ہیں، مسالک کا کچھ فرق اگر نظر آتا ہے تو یہ چیزیں احادیث سے ثابت ہیں، ان جھگڑوں میں ہمیں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا جو عقیدہ ہونا چاہیے اور جو عمل ہونا چاہیے جو اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں نظام زندگی عطا فرمایا ہے، ہمیں وہاں کوئی **compromise** نہیں کرنا ہے، ہمیں اس پر جمنا ہے، اگر ہم نے یہ طے کرلیا تو آپ چند سالوں میں محسوس کریں گے کہ انشاء اللہ ہماری یہ زندگی کیا روشنی دیتی ہے، یہ جگہ جو کبھی کفرستان تھی،

اب الحمدللہ یہاں ایمان کی روشنی جابجا نظر آتی ہے، مسجدوں سے الحمدللہ اذانوں کی آوازیں آتی ہیں اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں سنائی دیتی ہیں، انشاء اللہ اگر یہ محنت جاری رہی لیکن اس احساس اور اس خیال کے ساتھ کہ ہمیں کسی چیز میں کوئی compromise نہیں کرنا ہے، کہیں کوئی تبدیلی نہیں لانی ہے، یہ وہی اسلام ہے جو مکہ مکرمہ سے چلا، یہ وہی وحی ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر اتاری اور یہ وہی شریعت ہے جو اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کی اور آپ نے اپنی زبان مبارک سے وہ ساری باتیں ارشاد فرمادیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آپ نے ایسی تربیت فرمائی کہ وہ دین وشریعت کے سانچے میں ڈھل کر عالم میں پھیلے اور اللہ نے ان کے ذریعہ سے ساری دنیا میں دین کو پھیلایا۔ آج ضرورت اسی بات کی ہے کہ اسی نظام زندگی کو لے کر، انہی عقائد کو لے کر آگے بڑھا جائے۔

یاد رکھیے! یہ جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں کہ دین کو بہت پہلے یعنی چودہ سو سال پہلے سمجھا گیا، اس کے بعد لوگ دین کو نہیں سمجھے، اب نئے لوگ پیدا ہوئے ہیں جو دین کی تشریح اور دین کی ترجمانی کریں گے۔ یاد رکھئے! یہ دین پر تہمت ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ

”یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتأویل الجاهلین.“(کنز العمال: ۲۸۹۱۸)

(ہر نسل میں اس علم کے حامل ووارث ایسے عادل ومتقی لوگ ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب ودعوے اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر نسل میں ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کو اپنے سلف سے لیں گے اور جہاں کہیں بھی کمی بیشی نظر آئے گی تو وہ اس کو ٹھیک کرتے رہیں گے،

گویا مکمل اور صحیح دین وہ خود حاصل کر کے آنے والی نسلوں تک منتقل کرتے رہیں گے، یہ نظام صحابہؓ سے چلا اور قیامت تک چلے گا، ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، کوئی دور اس سے خالی نہیں ہے، اب یہ سمجھنا کہ نئے لوگ پیدا ہو گئے، وہ دین کی ترجمانی کرنے لگے، ایسے لوگ وہ ہیں جو دین میں خیانت کرنے والے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کی دی ہوئی امانت میں خیانت کرنے والے ہیں، ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے، سلف نے جو دین ہم کو دیا اور بزرگوں کا جو فہم ہے یہ فہم بڑی قیمت رکھتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا تذکرہ فرمایا:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً﴾

(النساء: ۱۱۵)

(اور جو صحیح راستہ سامنے آجانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ سے ہٹ کر چلے گا تو وہ جدھر بھی رخ کرے گا اسی رخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے اور اس کو جہنم رسید کریں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔)

اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں ایمان والے کون تھے؟ وہ حضرات صحابہ تھے، انہوں نے جو دین آپ ﷺ سے سیکھا اور سمجھا پھر قیامت تک وہ سلسلہ جاری ہے، وہ دین حقیقت میں ایک امانت ہے اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان حضرات کی فہم کو دیکھ کر، جس طرح انہوں نے دین کو سمجھا اور اس پر انہوں نے عمل کیا اور ایک نظام ہمارے سامنے رکھا، اسی پر ہمیں عمل کرنا اور اس پر چلنا' یہ ہماری ذمہ داری ہے۔

سورۂ فاتحہ میں بھی اللہ نے یہی بات ارشاد فرمائی:

﴿اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ☆صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعمتَ عَلَيهِمْ﴾

(ہمیں سیدھا راستہ لے چل، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔)

صراط مستقیم کی وضاحت کردی گئی کہ جو اللہ کے منعم علیہم بندے ہیں، جن پر اللہ کا انعام ہوا، وہ جس راستہ پر چلے، وہی صراط مستقیم ہے، معلوم یہ ہوا کہ یہ راستہ کوئی نیا نہیں ہے، یہ وہ راستہ ہے جس پر امت چلی ہے، چلتی رہے گی اور قیامت تک چلے گی، اس سلسلہ سے جو اپنے آپ کو وابستہ کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لیے نجات کا سامان فرمائیں گے، اس پر ہم کو جمنا ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اس مکمل دین کے ساتھ، اس مکمل اسلام کے ساتھ، اس مکمل ضابطہ حیات کے ساتھ، عقائد وعبادات کے ساتھ، معاشرت ومعاملات کے ساتھ اور اخلاق کی ان بلندیوں کے ساتھ اگر ہم اس ملک میں رہیں گے اور اپنے آپ کو پوری استقامت کے ساتھ رکھیں گے تو ہماری زندگی ایک ایسی نمونہ کی زندگی ہوگی جس کے ذریعہ سے انشاء اللہ لوگوں کو بہت کچھ راستے ملیں گے، اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت کا ذریعہ بنائیں گے اور اس کے ذریعہ سے اللہ ہمیں وہ مقام عطا فرما سکتے ہیں، یا اس امریکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو اللہ وہ بلندی عطا فرما سکتے ہیں، علم کی وہ گہرائی عطا فرما سکتے ہیں جو گہرائی حجاز مقدس میں تھی، جو گہرائی مصر وشام میں تھی، جو گہرائی ہندوستان میں تھی، یہ کسی کی جاگیر نہیں ہے، جو محنت کرے گا اس کو ملے گا، آپ اگر اس کے لیے کھڑے ہو جائیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ ایسے ملک کے ہیں جو دنیا کو تقسیم کرنے والا ملک ہے، وہ جو بھی تقسیم کرے، اگر آپ اس ہدایت کو تقسیم کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں، اللہ کے اس دین کو اور یہ جو نظام زندگی ہے اور انسانیت کا ایسا اعلیٰ طریقہ ہے جس سے انسانوں کو شاید زندگی کا مزہ آئے، اگر آپ نے یہ نظام لوگوں کے سامنے پیش کیا، یہ انسانیت اور اخلاق ومحبت کے نمونے لوگوں کے سامنے پیش کیے تو شاید دنیا بدل جائے۔

میں ایک چھوٹی سی مثال عرض کر کے اپنی بات مکمل کرتا ہوں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ایک مرتبہ مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کو لے کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں سہارنپور جارہے تھے، ٹرین کی دوسیٹوں کا ریزرویشن تھا، نیچے کی سیٹ حضرت مولانا کی اور اوپر والی مولانا عبداللہ صاحب کی تھی، سامنے کی دوسیٹیں ہندوؤں کی تھیں، ان میں ایک نوجوان اسمبلی کے ممبر تھے اور دوسرے صاحب بھی نوجوان تھے، شام کے وقت ایک بوڑھی ہندو خاتون آئی جس کے تلک لگا ہوا تھا، وہ کہنے لگی کہ میری سیٹ اوپر کی ہے، میرے سامنے جو لوگ ہیں وہ سینئر سٹیزن ہیں، میں ان سے Request نہیں کرسکتی، اگر آپ میں سے کوئی سیٹ دے دے تو میرا کام ہوجائے گا، یہ سن کر وہ دونوں ہندو بیٹھے رہے اور ان میں سے کوئی نہیں بولا، جب وہ بے چاری مایوس ہوکر جانے لگی تو حضرت مولاناؒ نے کہا کہ یہ میری نیچے کی سیٹ ہے، جب تم کو سونا ہو تو یہاں آ کر سو جانا، اس کو تعجب ہوا کہ ایک داڑھی والا مسلمان یہ پیشکش کررہا ہے، اس پر ایک اثر پڑا، (اس زمانہ میں حضرت کو گھٹنے میں Gout کی تکلیف تھی اور آنکھوں سے اس وقت نظر بھی نہیں آتا تھا، ۱۹۷۷ء میں جب مولانا امریکہ آئے اور آنکھ کا آپریشن کرایا تو الحمدللہ بینائی بحال ہوئی) تو مولانا عبداللہ صاحب نے کہا کہ حضرت! آپ نے بڑا غضب کیا، آپ اوپر نہیں چڑھ سکتے اور آپ نے اپنی سیٹ ان کو دے دی، اس پر حضرت مولاناؒ نے عجیب بات کہی کہ مولوی عبداللہ! اسلام کا اخلاقی نظام پیش کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا، اگر کبھی موقع ملے تو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہیے، چاہے مشقت اٹھانی پڑے۔

میرے بھائیو اور دوستو!

اگر ہماری زندگی بھی ایسی ہی ہوجائے تو آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ دنیا آپ کے قدموں میں ہے، دنیا اس کی متلاشی ہے، آج ساری دنیا میں جو خودغرضی کی ایک

آگ لگی ہوئی ہے، ایک ایک فرد کو دیکھ لیجیے، قوموں کو دیکھ لیجیے، ملکوں کو دیکھ لیجیے، ملک ملک کو ہڑپ کر رہا ہے، معاشرہ معاشرہ کو کھانا چاہتا ہے، انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے، ان حالتوں میں اگر آپ نے طے کرلیا کہ آپ انشاء اللہ ایک ایسا نمونہ پیش کریں گے ایثار کا، محبت کا، انسانیت کا جو اس وقت کی ضرورت ہے، انسانوں کی پیاس ہے اور آپ کے پاس یہ پانی موجود ہے، اگر ہم نے بخل سے کام لیا تو یاد رکھئے! کہ ہم خائن بھی ہیں اور ہمارے ساتھ شاید پھر اچھا سلوک نہیں ہوگا، اگر ہم کسی کا حق مارتے ہیں تو کیا ہمیں کوئی پسند کرے گا، اللہ نے ہمیں جو یہ امانت دی ہے اخلاق اور انسانیت کی، حقیقت یہ ہے کہ یہ امانت اس لیے ہے کہ ہم عالم میں تقسیم کریں اور انسانوں میں تقسیم کریں، اگر خدانخواستہ ہم نے بخل سے کام لیا، اپنی زندگی ایسی نہ بنائی کہ ہماری زندگی کو دیکھ کر لوگ اسلام کو سمجھیں، تو ہم بخیل قرار دیے جائیں گے، ہم حق مارنے والے سمجھے جائیں گے اور جس کا حق ہم ماریں گے وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گا، اس لیے ہم یہ طے کریں کہ ہم انشاء اللہ ایک اچھی زندگی اختیار کریں گے، اس پر چلیں گے اپنے عقائد کے ساتھ، عبادات کے ساتھ، اعمال کے ساتھ، صحیح فکر کے ساتھ کہ کہیں اس میں انحراف نہ ہوتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمت ہمیں دی ہے ہم اس نعمت کو خود پوری طرح محفوظ رکھیں، اس امانت کو اپنے سینے سے لگا کر رکھیں اور اس کا نمونہ ہم لوگوں کے سامنے پیش کریں، انشاء اللہ اس کے ذریعہ سے ہم خود بھی ایک نمونہ کی زندگی اختیار کرنے والے بنیں گے اور اللہ کی رضا ہم کو حاصل ہوگی جو سب سے بڑی چیز ہے:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ (اور اللہ کی خوشنودی سب سے بڑھ کر ہے۔)

انشاء اللہ ہمارا یہی طریقہ دوسروں کے لیے مفید ہوگا اور خیر کا ذریعہ بنے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس حاضری کو قبول کرے اور جو باتیں کہی گئی ہیں اللہ کہنے والے کو بھی توفیق عطا فرمائے اور آپ حضرات کو بھی، اللہ آپ کے اندر یہ جذبہ پیدا کردے کہ

آپ یہ طے کرلیں کہ انشاء اللہ جس طرح امریکہ ساری دنیا کو سب کچھ Supply کرتا ہے، اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ وہ مادیت Supply کرتا ہے تو ہم انشاء اللہ روحانیت Supply کریں گے، ہم ایمان Supply کریں گے، اگر آپ نے یہ طے کیا تو آپ ذریعہ بنیں گے ساری دنیا میں دین کی اشاعت کا، ہدایت کا اور انسانیت کے اس نظام کے عام ہونے کا جس کی دنیا کو ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ اس حاضری کو قبول فرمائے اور خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

محمدی مسجد نیویارک
۱۰رفروری ۲۰۲۵ء

ایک شان امتیازی پیدا کیجیے

الحمد للّٰہ رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وعلىٰ من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلىٰ يوم الدين أما بعد! فأعوذ باللّٰه من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمٰن الرحيم: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ وورد عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم أنه قال: لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به، أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

میرے محترم دینی اور ایمانی بھائیو!

یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو ملایا، یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ مشرق کو مغرب سے جوڑتا ہے اور مغرب کو مشرق سے ملاتا ہے، اس دنیا میں مختلف قبائل، مختلف خاندان، مختلف ممالک اور ان کے مختلف حالات ہیں، لیکن اسلام کی نسبت ایسی ہے جو سب کو ایک لڑی میں پروتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایک مکمل دین اور مکمل ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے، یہ دوسرے مذاہب کی طرح نہیں ہے جس میں چند رسمیں کر لی جائیں، چند عقائد و خیالات کو کسی حد تک ذہن

ودماغ میں بٹھالیا جائے اوراس کے بعد انسان آزاد ہے، آپ اس ملک میں رہتے ہیں، آپ اس بات کا بخوبی مشاہدہ کرتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں کہ یہاں جو مذاہب ہیں اور دنیا کے مختلف ملکوں کے جولوگ ہیں، ان کی زندگیوں میں آپ کو کوئی ایک ایسا نظام نظر نہیں آئے گا جس میں ان سب کو (جو بھی اس مذہب کے ماننے والے ہیں) ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہو، سب کے اپنے اپنے تقاضے ہیں، اپنے اپنے حالات ہیں اور اپنی اپنی ضروریات ہیں جو اپنی اپنی خواہش کے مطابق پوری کی جاتی ہیں، صرف چند ایسی رسمیں ہوتی ہیں جن میں لوگ شریک ہوتے ہیں، پھر کوئی ایسا مضبوط نظام جو ان سب کو جوڑتا ہو وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ اس نے ہر جگہ کے اپنے ماننے والوں کو ایک ایسا نظام دیا ہے کہ اس میں آپ کو کہیں بھی فرق نظر نہیں آئے گا، نہ وہ فرق آپ کو مختلف زمانوں میں نظر آئے گا اور نہ دنیا کے مختلف ملکوں میں نظر آئے گا، جس طرح اسلام حجاز میں ہے، اسی طرح سے اسلامی نظام ہندوستان میں ہے، وہی یورپ میں ہے اور وہی امریکہ میں، جس ملک میں آپ جائیں گئے آپ کو اسلام کا ایک ایسا خوبصورت سانچہ اور ڈھانچہ نظر آئے گا کہ اس میں آپ کو کہیں ناہمواری نظر نہیں آئے گی، اگر کہیں ناہمواری ہوگی تو ہماری زندگی میں لیکن اسلام کا نظام مکمل نظام ہے اور وہ ایک مکمل دستور حیات ہے۔

اسلام ایک ایسا نظام زندگی ہے کہ اگر اس کو اختیار کیا جائے، اس کو پوری طرح سے Follow اور اپنی زندگی میں نافذ کیا جائے تو اس زندگی کا ایک ایسا خوبصورت گلدستہ سامنے آتا ہے جس کا تصور بھی شاید ایک عام انسان نہیں کرسکتا، حقیقت میں یہ احسان ہے ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، آپ کے ذریعہ سے ہمیں سب کچھ ملا، ہمیں زندگی کی جو بہاریں نظر آتی ہیں، اس زندگی میں ہمیں جو خوبیاں دکھتی ہیں اور دل کا جو سکون واطمینان نظر آتا ہے، سچی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ حضور اکرم

ﷺ کا صدقہ ہے

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہی کی لگائی ہوئی ہے

آپ ﷺ کا دیا ہوا نظام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم لے کر پوری دنیا میں پھیلے، انہوں نے دنیا کو یہ نظام دیا جس سے دنیا کو ایک اطمینان حاصل ہوا، وہ دنیا جو اپنی عادتوں کی غلام تھی اور لوگوں کی زندگی کا حال یہ تھا کہ انہیں سکون نصیب نہیں تھا، لیکن اللہ کے نبی ﷺ کے ذریعہ اور آپ کی بتائی ہوئی زندگی سے لوگوں کو ایک ایسا راستہ ملا کہ اس پر چل کر لوگوں کو زندگی کا مزہ آیا، لوگوں کو وہ آزادی حاصل ہوئی جس کا تصور زمانہ جاہلیت میں کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

میرے دوستو اور بھائیو!

آج سب سے بڑھ کر اسی نظام زندگی کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیا ہوا جو مکمل نظام ہے اور حضور اقدس ﷺ کا برتا ہوا اور آپ ﷺ نے اس کے اعتبار سے جس طرح صحابہؓ کی تربیت کی، اس لحاظ سے اگر ہم دیکھیں تو ہمارے سامنے پورا نظام زندگی ہے، اگر ہم اس کو اختیار کریں تو یقیناً یہ ایک ایسی چیز ہے جو شاید دنیا کے لیے نئی ہو، اس دنیا کے لیے جو اپنے بکھیڑوں میں، اپنی رنگ رلیوں میں، اپنی زیب وزینت میں اور اپنی ساری آرائشوں میں اس طرح مگن ہے کہ اس کو بعض مرتبہ سوچنے کی فرصت نہیں، لیکن آج ساری دنیا جن حالات سے دوچار ہے، جس طرح انسانیت کا خون ہو رہا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ کوئی بھی شخص ہو جس کے سینہ میں اگر دھڑکتا ہوا دل ہے تو وہ محسوس کرتا ہے، اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کو ایک صحیح راستہ ملے، اس کو ایک صحیح زندگی ملے، اطمینان کی زندگی ملے تو واقعہ یہ ہے کہ اس کے لیے صرف ایک راستہ ہے اور وہ راستہ وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے ہم کو بتایا، آج دنیا اسی راستے

کی منتظر ہے اور اس پیغام کی منتظر ہے جو پیغام ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ سے ملا تھا۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم دنیا کے مختلف ملکوں میں رہنے والے، ہمیں جو نظام زندگی پیش کرنا چاہیے تھا، ہمیں جو ایک نمونہ کی زندگی پیش کرنی چاہیے تھی، آج افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ سب چیزیں نظر نہیں آتی ہیں، یہ ہماری ایک ایسی کمی ہے کہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے بارے میں طرح طرح کے تصورات قائم کیے جاتے ہیں، میں تو ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں، آپ امریکہ کے رہنے والے ہیں، اگر آپ یورپ کے بعض ممالک میں جائیں تو حضور اقدس ﷺ کی شان اقدس میں جس طرح گستاخانہ کلمات کہے یا لکھے گئے، واقعہ یہ ہے کہ ان کی غلطی و گستاخی تو اپنی جگہ پر ہے لیکن کہیں نہ کہیں جو پانی مر رہا ہے اس میں ہماری بھی کمی ہے، ہم سے بھی کوتاہیاں ہوئی ہیں، اگر ہم نے صحیح نمونہ پیش کیا ہوتا، اگر ہم نے اپنی اخلاقی زندگی صحیح اختیار کی ہوتی اور اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک زندگی کو ہم نے اپنے اندر جذب کیا ہوتا اور وہ نمونہ پیش کیا ہوتا تو شاید ان حالات کا ہمیں سامنا کرنا نہ پڑتا جو آج ہمارے سامنے ہیں۔

اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے کہ ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور ہم غور و فکر کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں زندگی کا کیا نمونہ دیا تھا، اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں کیسے اخلاق دیئے تھے، اگر آج ہم نے ان کو اختیار کیا ہوتا تو ایک ایسا امتیازی مقام ہم کو حاصل ہوتا اور ایک ایسی امتیازی شان ہم کو حاصل ہوتی جس کا تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَاناً﴾

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا ڈر پیدا کرلو تو اللہ تمہیں ایک شان امتیازی عطا کرے گا۔)

آج دنیا پیاسی ہے اور اس کو ضرورت ہے ایک ایسے نظام کی جو اس کو سکون

واطمینان بخشے، جو اس کو زندگی کا ایک مزہ دے، آج جو زندگی لوگ گزار رہے ہیں اور وہ جن دشواریوں کا شکار ہیں، جن پریشانیوں کا شکار ہیں اور اندر سے کڑھن اور بے چینی کی جو ایک کیفیت ہے، سچی بات یہ ہے کہ اگر یہ چیز دور ہوسکتی تھی تو صرف اللہ کی محبت سے دور ہوسکتی تھی، وہ پختہ ایمان جو ہمیں اللہ کا یقین دیتا ہے، اللہ کی قدرت کا یقین دیتا ہے، جو ہماری زندگی میں ایک بدلاؤ پیدا کرتا ہے، اگر وہ یقین ہمارے اندر ہوتا، اللہ کے نبی ﷺ کی محبت ہمارے اندر ہوتی اور آپ کے لائے ہوئے نظام کو ہم اپنی زندگی میں پوری طرح اختیار کرتے اور ہم نے دین کو جس طرح خانوں میں بانٹ رکھا ہے، اگر یہ تفریق ہمارے اندر نہ ہوتی تو ایک نئی زندگی نظر آتی، ایک نیا نظام نظر آتا اور ایک ایسا نمونہ لوگوں کے سامنے آتا جس کے لوگ منتظر ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو خانوں میں بانٹ رکھا ہے، اگر کہیں عقائد میں پختگی نظر آئے گی تو وہاں عبادات میں کمی ہے، اگر کہیں عبادات کا مکمل نظام ہے تو معاملات خراب نظر آئیں گے، اگر کہیں معاملات درست ہیں تو اخلاقی نظام کرپٹ (corrupt) نظر آئے گا، اس کے علاوہ دوسری دس معاشرتی خرابیاں نظر آئیں گی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو ایک مکمل اور خوبصورت گلدستہ ہمارے لیے سجایا گیا تھا، ہم نے اس کے پھولوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم نے کہیں سے کوئی پھول نکال دیا اور کہیں سے کوئی پتی نکال دی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی جو تصویر ہم پیش کر سکتے تھے آج ہم وہ تصویر پیش نہیں کر پاتے۔

میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا یہ ملک اور یہ شہر جو گویا تاریخی شہر ہے، یہ ایسے نظریات کو پیش کرنے والا شہر ہے کہ یہاں سے دنیا کے لیے نظام طے ہوتا ہے، یہاں سے گویا دنیا کو بتایا جاتا ہے کہ کس طرح زندگی گزارنی ہے، اگر یہاں سے ہم یہ طے کرتے کہ وہ چیز جو ایک انسانی ضرورت ہے، اگر اس کا نمونہ ہم یہاں اختیار کرتے

اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے، اپنے برادران وطن کے سامنے پیش کرتے اور ان لوگوں کے سامنے پیش کرتے جو دنیا کے مختلف ملکوں سے یہاں پر آئے ہیں اور یہ نمونہ ہماری زندگی سے لے کر وہ اپنے ملکوں میں جاتے تو شاید دنیا کا انداز ہی کچھ اور ہوتا، میں آپ سے یہ بات کہتا ہوں کہ آپ جس پیمانے پر یہ کام کر سکتے ہیں اس پیمانہ پر شاید کوئی دوسرا یہ کام نہیں کر سکتا، وہاں جو صدا لگائی جائے گی، وہ صدا اسی ملک تک رہے گی لیکن اگر یہاں صدا لگائی جائے گی اور وہ صدا آگے بڑھے گی تو کیا بعید ہے کہ دنیا کے دوسرے ملکوں تک پہنچے اور وہاں تک یہ نظام جائے جس کی آج سب سے بڑھ کر ساری دنیا کو ضرورت ہے۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں، مسئلہ چند چیزوں کا نہیں ہے، مسئلہ ہماری پوری زندگی کا ہے، ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کی حفاظت کرنی ہے، ان کو شکوک وشبہات سے بچانا ہے اور ان کے سامنے جوابات رکھ کر ان کے لیے اطمینان کا راستہ ہموار کرنا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہمیں اس طرح بھی ان کے ذہنوں کو مطمئن کرنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جو دین عطا فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح یہ دین آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے، میں صاف کہتا ہوں اسی طرح اس دنیا کی کامیاب زندگی کا بھی یہی ایک راستہ ہے۔

آپ تاریخ اٹھا کر دیکھئے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے اپنی کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' (انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج وزوال اور اس کا اثر) میں یہ سبق دیا کہ مسلمانوں کی ترقی وتنزلی سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، یہ ایسی بات تھی جو شروع میں لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی، مسلمانوں کا عروج ہو یا زوال' اس سے دنیا کو کیا فائدہ یا کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ لیکن مولانا نے تاریخ کے حوالوں سے یہ بات ثابت کی کہ جب تک مسلمان دنیا کے منظر نامے پر عروج کے ساتھ رہے، وہ نظام زندگی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا تھا، انہوں نے وہ نظام دنیا کے سامنے پیش کیا،

اس کا فائدہ دنیا نے دیکھا کہ دنیا امن وامان کا گہوارہ بنی رہی، گویا جنت نشاں بنی رہی، تاریخ میں اس کے واقعات بھی موجود ہیں، اگر آپ وہ واقعات دیکھیں اور سنیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اسلام نے لوگوں کے سامنے کیسا نظام زندگی رکھا۔

میں اس کی صرف ایک مثال عرض کرتا ہوں، خلافت عباسیہ کا دور جو بغداد کے عروج کا زمانہ تھا، اس وقت وہاں ایک بہت بڑا اسپتال قائم ہوا جس کا نام ''بیمارستان'' تھا، اس کے اندر متعدد شعبے تھے اور مریضوں کے لیے کئی ہزار بیڈ تھے، یہ آج سے تقریباً آٹھ نوسو سال پرانی بات ہے، اس میں مستقل ایک شعبہ تھا اور اس کے لیے چند لوگ متعین تھے کہ اگر کوئی مریض آئے، وہ اپنے بیڈ پر لیٹا ہو، تو ان کا کام یہ تھا کہ وہ وہاں جا کر صرف اس طرح کی باتیں کریں کہ یہ مریض کل آیا تھا، اس کے چہرے پر پیلا پن تھا، لگتا تھا کہ یہ بچ نہیں سکے گا لیکن اب تو بڑا اچھا معلوم ہوتا ہے، **Improvment** بہت جلد ہو رہا ہے، اب تو لگتا ہے کہ یہ جلدی ہی ٹھیک ہو جائے گا، جب ان باتوں کو مریض سنتا تھا تو اس کے اندر ایک حوصلہ پیدا ہوتا تھا اور اس کے اندر مرض سے مقاومت کا ایک جذبہ پیدا ہوتا تھا اور اس کے نتیجہ میں مرض کا علاج بہت آسان ہو جاتا تھا، ظاہر ہے یہ اسلام کی خوبی ہے اور اسلام انہی اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ ایک مستقل نظام تھا، لیکن آج میں دیکھتا ہوں اور مجھے خود اس کا تجربہ ہے کہ ڈاکٹروں کے پاس بعض مرتبہ ایسی بداخلاقی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس سے حیرت ہوتی ہے کہ کیا ان کے سینے میں بھی انسان ہی کا دل ہے؟! میں نے دیکھا کہ ایک صاحب ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے گئے، اس نے ساری رپورٹیں دیکھیں، پھر وہ انہی کے منھ پر کہتا ہے کہ یہ تو بس ڈیڑھ مہینے کے مہمان ہیں، اب یہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتے، آپ غور کیجیے کہ اگر کسی مریض سے یہ کہا جائے تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ آج ڈاکٹروں کو دیکھ کر یہ نہیں لگتا کہ ان کے اندر حکمت واخلاق نام کی کوئی چیز ہے، بلکہ ایسا

لگتا ہے کہ وہ ایک مشین ہے اور یہ مشینی زندگی بالکل غیر انسانی زندگی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو جب ساری دنیا کا یہ نظام دیا تھا اور وہ ترقی کے آخری عروج پر تھے، ان کے بڑے بڑے اسپتال اور بڑے بڑے ادارے تھے، سائنس وٹیکنالوجی جو آج ہمیں نظر آتی ہے، اس کی بنیادیں مسلمانوں ہی نے فراہم کی تھیں، آپ میں سے جو حضرات تاریخ سے واقف ہیں وہ ان چیزوں کو خوب جانتے ہیں لیکن اصل بات یہ تھی کہ مسلمانوں نے اخلاق کو تعلیم سے جوڑا، اخلاق کو علم سے جوڑا، اخلاق کو ٹیکنالوجی اور سائنس سے جوڑا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جب یہ تعلیم یورپ کے حصہ میں آئی تو زندگی کا صحیح سرا ہاتھ سے چھوٹ گیا اور مقاصد و وسائل کی تمیز باقی نہ رہی۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ یہ بات کہتے تھے کہ اگر اس ترقی یافتہ دنیا کے لیے کوئی مذہب سب سے زیادہ مناسب ہوسکتا تھا تو صرف اسلام ہوسکتا تھا جو زندگی کا ساتھ دیتا ہے، جو زندگی کے راستے کھولتا ہے، جو بڑے بڑے حقائق سامنے رکھتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس دنیا کے لیے سب سے زیادہ نامناسب جو مذہب ہوسکتا تھا تو وہ شاید عیسائیت ہے، اس لیے کہ ان کے یہاں رہبانیت ہے، وہ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتے، آپ نے تاریخ پڑھی ہوگی تو آپ جانتے ہوں گے کہ جب کلیسا و مذہب اور حکومت کی کشمکش شروع ہوئی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کو شکست ہوئی اور پھر یہ طے کر دیا گیا کہ چند رسموں کو مذہبی لوگ کلیسا میں انجام دے لیں گے لیکن دنیا کا نظام حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگا، وہ جو چاہیں گے کریں گے، یہ جو مذہب بے زاری کی صورت حال پیدا ہوئی، حقیقت میں یہ اسی کشمکش کا نتیجہ ہے، اس کا نقصان یہ ہوا کہ مذہب سے دشمنی پیدا ہوگئی، صرف عیسائیت ہی سے نہیں بلکہ مذہب سے دشمنی پیدا ہو گئی اور جب مذہب سے دشمنی ہوئی تو اخلاق کو کنارہ لگا دیا گیا اور زندگی کو ایک مشین بنا دیا گیا اور انسان انسان نہیں بلکہ وہ ایک جانور بن گیا۔

تاریخ کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے اور شاید دنیا کی تاریخ میں وہ بدترین دن تھا، جب مسلمانوں کے ہاتھ سے یہ گیند دوسرے پالے میں چلی گئی اور پھر وہ سب کچھ ہوا جو آج آپ کے سامنے ہے، اس کی چاہے کتنی ہی تاویلیں کی جائیں اور چاہے کتنے ہی حیلے حوالے تلاش کیے جائیں، آپ چاہے تاریخ کی کتابیں پڑھیں، یا انسائیکلو پیڈیا آف برنا ٹیکا کو دیکھیں تو آپ کو ایسے ایسے جملے ملیں گے کہ شاید عقل رکھنے والے کو ہنسی آئے، یہ ایک بڑا المیہ ہے۔

یہ باتیں میں آپ سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ایک زمانہ تھا، اگر آپ یہاں اس وقت آتے تو شاید آپ کو ایک بڑی تعداد میں مسلمان نظر نہ آتے، اس وقت مسلمان یہاں بہت معمولی تعداد میں تھے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ جب ۱۹۷۵ء میں یہاں تشریف لائے تو اس وقت چند مسجدیں تھیں اور مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آج بڑی تعداد میں مسلمان ہیں، مسجدیں ہیں اور مدرسے ہیں، آج اگر آپ چاہیں کہ دنیا کو آپ کچھ دیں اور دنیا کے لیے انسانیت و اخلاق کا راستہ ہموار کریں تو یہ آپ کے بس میں ہے، آپ جو کچھ بھی کریں گے تو وہ چیز صرف اسی زمین تک محدود نہیں رہے گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ یہ پیغام ساری دنیا میں پہنچے، اگر یہ پیغام کوئی دے سکتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ آپ ہیں، آپ ایسے شہر کے رہنے والے ہیں جہاں سے پیغام دیا جاتا ہے، جہاں صرف مادیت تقسیم کی جاتی ہے، ٹیکنالوجی تقسیم کی جاتی ہے، دنیا کی سہولیات تقسیم کی جاتی ہیں، اگر یہاں سے آپ یہ طے کرلیں کہ انشاء اللہ یہاں سے انسانیت تقسیم کریں گے، ہدایت تقسیم کریں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں زندگی کا جو راستہ دیا ہے وہ ہمیں زندگی کا وہ بلند مقام عطا کرتا ہے جو حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صحیح زندگی اختیار کرلیتے تو وہ مقام اللہ کی طرف سے طے شدہ تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا ڈر پیدا کرلو تو اللہ تمہیں ایک شان امتیازی عطا کرے گا۔)

اگر یہ شان امتیازی ہم اس امتیازی شہر میں پیدا کریں گے تو یہ معاملہ صرف اسی شہر اور اسی ملک تک نہیں رہے گا، کیا بعید ہے کہ آپ کا یہ پیغام پوری دنیا میں پھیلے اور انسانیت کو صحیح راستہ نصیب ہو۔

میرے بھائیو اور دوستو!

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ (فصلت: ۳۳)

(اور اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور اچھے کام کیے اور کہا کہ میں تو فرماں بردار ہوں۔)

حضرات علماء جانتے ہیں کہ قول کے لفظ میں بڑی وسعت ہے، یہاں پر قول کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ آدمی زبان سے کہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زبان حال سے کہے، اس کی زندگی بولے اور اسلام بولے کہ یہ شخص مسلمان ہے، اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ ہماری زندگی بولے کہ ہم مسلمان ہیں، یہ زندگی جب بولے گی اور جب ہمارا اسلام ہماری زندگی سے بولے گا، ہمارے اخلاق جب بولیں گے، آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے کہ جب جب مسلمانوں کی زندگی اس ترتیب کے ساتھ چلی تو اس زمانہ میں آپ دیکھیں گے کہ لوگوں کے سامنے کیسا نمونہ آیا اور کیسی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ آج ضرورت ہے کہ ہمارے اندر یہی جذبہ پیدا ہو، ہم اس کے ذریعہ سے بہت آگے تک جاسکتے ہیں۔

اگر آپ تاریخ میں اٹھا کر دیکھیں تو نہ جانے کتنے واقعات ایسے ہیں کہ ایک واقعہ سے پوری دنیا بدل گئی، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کے بارے میں

آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا، انہی کے خاندان کے ایک بزرگ مولانا محمود بخش تھے، یہ انگریزوں کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک جگہ سے متعلق لوگوں میں جھگڑا ہو گیا، ہندو کہتے تھے کہ یہ جگہ ہماری ہے اور مسلمان کہتے تھے ہماری ہے، انگریزوں کے پاس مقدمہ گیا تو انگریز جج نے کہا کہ کسی ایک ایسے شخص کو تم اپنا حکم بنالو کہ وہ جو کہے اس پر تم متفق ہو جاؤ، ہم بھی اس کے مطابق فیصلہ کر دیں گے، اتفاق کی بات کہ مولانا محمود بخش کے نام پر (ہندو مسلمان) سب لوگ راضی ہو گئے کہ یہ جو کہیں گے ہم وہ مان لیں گے، مگر انہوں نے عدالت میں جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں انگریزوں کا منھ نہیں دیکھ سکتا، جب انگریز کو یہ بات پتہ چلی تو اس نے کہا کہ وہ ہمارا منھ نہ دیکھیں اور پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو جائیں، لیکن عدالت میں آکر گواہی دے دیں، پھر وہ عدالت گئے اور یہ بیان دیا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہ زمین مسلمانوں کی نہیں ہے، یہ زمین ہندوؤں کی ہے، اس پر ایک شور ہوا اور بھری عدالت میں انگریز جج نے برسر عام یہ بات کہی کہ مسلمان مقدمہ ہار گئے لیکن اسلام جیت گیا، پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اسی وقت انہی ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پوری صداقت کے ساتھ، پوری امانت کے ساتھ اور اخلاق کی پوری بلندی کے ساتھ طے کریں کہ ہمیں اسلام کی ترجمانی کرنی ہے، میں آپ کے سامنے اس تاریخی شہر میں یہ کہنا چاہتا ہوں، اس کو دنیا میں گویا طاقت کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے، یہاں سے فلسفہ تقسیم ہوتا ہے اور ایک فکر تقسیم ہوتی ہے، اگر آپ یہاں یہ طے کرلیں تو کیا بعید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے ذریعہ سے عالم میں ہدایت کا کام لے، لوگوں کے لیے اسلام کی صحیح تصویر کا سمجھنا آسان ہو جائے، اگر ہم یہ طے کرلیں گے تو انشاء اللہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک شان

امتیازی عطا کرے گا، اللہ نے قرآن مجید میں یہی بات فرمائی ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم اپنے اندر اللہ کا ڈر پیدا کر لو تو اللہ تمہیں ایک شان امتیازی عطا کرے گا۔

یاد رکھیے! تقویٰ صرف مظاہر کا نام نہیں ہے، یقیناً ہماری ظاہری شکل وصورت بھی سنت کے مطابق ہو، ہمیں اس کا حکم ہے، لیکن یہ کافی نہیں ہے جب تک کہ اندر کے جذبات صحیح نہ ہوں، جب تک کہ اخلاق کی بلندی نہ ہو، جب تک کہ معاملات کی صفائی نہ ہو، جب تک کہ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی نہ ہو، اپنوں کے ساتھ کس طرح سلوک کیا جانا چاہیے، ہمیں یہ بھی سکھایا گیا، میں واقعہ سناتا ہوں اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقع پر جب مکہ میں قحط پڑا تو کیا سلوک کیا، یاد کیجیے! وہی مکہ جس سے آپ کو نکالا گیا تھا، حضرات صحابہ کو شہید کیا گیا تھا، مدینہ پر کئی مرتبہ چڑھائی کی گئی تھی، کوئی کسر نہ چھوڑی گئی لیکن جب مکہ میں قحط پڑا تو آپ ﷺ نے پانچ سو یا بعض روایتوں کے مطابق پانچ ہزار دینار وہاں بھیجے، اگر آج ڈالر میں اس کا حساب کیا جائے تو ہزاروں ڈالر بنتے ہیں، آپ نے باقاعدہ اس رقم کا انتظام کیا اور وہ رقم مکہ میں ابوسفیان کو بھیجی جو آپ کے سب سے بڑے دشمن تھے، لیکن ان کی ریلیف اور مدد کے لیے یہ رقم بھیجی گئی، آپ اندازہ کیجیے کہ آپ ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ بھی کیسا سلوک کیا اور ہمیں کیسا سبق دیا۔

اگر ہم بھی یہی طے کریں اور اپنی زندگی اس کے مطابق بنانے کی کوشش کریں تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے سامنے راستے کھول دے گا، صلح حدیبیہ اس کی بہترین مثال ہے، جس کے نتیجہ میں لوگوں کو موقع ملا، مکہ والے مدینہ آئے اور مدینہ والے مکہ گئے، جنگ بندی کا اعلان ہوا تو ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ان کے سامنے آئی تو ان کو حیرت ہوئی، ان کے درمیان میں رہنے والے بھائی بندوں نے ان کی زندگی میں ایک عجیب تبدیلی دیکھی تو ان کے ذریعہ سے اللہ نے

ان کو بھی ہدایت دی اور تاریخ کا واقعہ ہے کہ اٹھارہ بیس سالوں میں اتنی بڑی تعداد کے اندر لوگ مسلمان نہیں ہوئے جتنی بڑی تعداد میں صرف دو سال کے اندر مسلمان ہوئے۔

آج ہمیں بھی اللہ نے موقع دیا ہے، آپ اتنی بڑی تعداد میں ہیں، آپ اپنی ذمہ داری محسوس کیجیے اور ایک چراغ کی طرح زندگی گزاریے، حقیقت یہ ہے کہ اس کی بتی جلتی ہے، تیل جلتا ہے لیکن وہ روشنی کا سامان کرتا ہے، اللہ نے مسلمانوں کو حقیقت میں ایسی ہی زندگی دی ہے، تھوڑی سی قربانی کے ساتھ اگر وہ میدان میں آئیں گے تو انشاء اللہ اس کا بڑا نفع ہوگا اور ساری دنیا میں روشنی پھیلے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو قبول فرمائے اور توفیق سے نوازے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

مسجد اسلامک سینٹر، آرلنڈو-فلوریڈا
۱۱رفروری ۲۰۲۵ء

دعوت کا صحیح مفہوم اور اس کے تقاضے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آله وصحبه أجمعین وبعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ☆وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ☆وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

محترم حضرات!

میں سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے آپ کو اور ہم کو یہاں جمع کیا اور میں اپنے فاضل دوست مولانا طارق رشید صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا، مجھے یہاں حاضر ہو کر انتہائی مسرت ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولانا طارق صاحب کو جو توفیق دی، اگر دیکھا جائے تو ظاہری اعتبار سے بھی اور باطنی اعتبار سے بھی اللہ نے ان سے بڑا کام لیا، وہ ایک طویل عرصے سے یہاں مقیم ہیں، اللہ نے ان کو یہ توفیق دی کہ انہوں نے ہمارے ایمانی بھائیوں کے لیے بھی غذا فراہم کی اور

اس کے ساتھ یہاں جو ہمارے برادران وطن ہیں یا یہاں وہ رہنے والے جو دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہیں لیکن ابھی تک ان کو ہدایت نہیں ملی، ان کے لیے بھی انہوں نے راستے کھولے ہیں، راستہ اللہ کھولتا ہے لیکن طریقے ہمیں اختیار کرنے پڑتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آج سب سے بڑھ کر اسی کی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو امتِ دعوت بنایا ہے، قرآن مجید کے اندر اللہ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔)

ہمیں صرف اپنے لیے پیدا نہیں کیا گیا، ہمیں صرف مسلمانوں کے لیے نہیں پیدا کیا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دنیائے انسانیت کے لیے پیدا کیا ہے، اللہ نے ہم پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ حضور اقدس ﷺ نے اسلام کی، دین کی، شریعت کی جو امانت ہم تک منتقل فرمائی، ہمیں اس امانت کو آگے پہنچانا اور اس کو دوسروں کے دل ودماغ تک منتقل کرنا ہے، یہ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ دعوت کا یہ تسلسل ہمیشہ رہا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ ایسے افراد پیدا کرتا رہا ہے جنہوں نے یہ مشن سنبھالا ہے، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ حکم بھی ہے کہ

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

(اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلاتی رہے اور

بھلائی کے لیے کہتی رہے اور برائی سے روکتی رہے اور یہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔)

قرآن مجید کے اندر کئی جگہ یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہونے ضروری ہیں جو یہ کام کریں، جو لوگوں کو اچھائیوں کی تلقین کریں اور برائیوں سے روکنے کی کوشش کریں، واقعہ یہ ہے کہ دعوت کا کام اس وقت کی ایک بنیادی ذمہ داری ہے۔ دعوت کا مطلب سمجھنے کی ضرورت ہے، ہمارے بہت سے بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ صرف بات کہہ دینا یا یوں کہہ لیجیے کہ بات پھینک کر مار دینا، اس کو دعوت نہیں کہتے، دعوت کہتے ہیں دل میں اتر جانا، دل پر اثر انداز ہونا اور اس کے لیے ضرورت ہوتی ہے اپنے طریقہ زندگی پر غور کرنے کی، اگر ہمارا طریقہ زندگی درست ہے، اگر ہم اللہ کے نبی ﷺ کی نمائندگی کر رہے ہیں تو ہمارا یہ طرز زندگی بھی ایک دعوت ہوگا۔

یاد رکھئے! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں نمائندۂ رسول بنایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ جس مشن کے ساتھ چلے اور آپ نے جو دعوت پیش کی، توحید کی دعوت، سنت کی دعوت، اخلاق کی دعوت، انسانیت اور محبت کی دعوت، انسانوں کو انسانوں سے جوڑنے کی دعوت اور سب سے بڑھ کر انسانوں کو اللہ سے جوڑنے کی دعوت، یہ وہ دعوت اور مشن ہے جس کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے سیکھا، آپ کے بعد اور صحابہ کے بعد آنے والوں نے ان سے سیکھا، وہ سلسلہ جاری رہا اور قیامت تک جاری رہے گا۔

ہمارے اوپر اس وقت بڑی ذمہ داری ہے، یہ دنیا بہت بڑی ہے، دنیا کے اندر رہنے والوں کی تعداد بہت بڑی ہے، مختلف ملکوں کے رہنے والے لوگ ہیں، مختلف زبانیں جاننے والے، مختلف علاقوں کے لوگ، اس حیثیت سے اگر آپ دیکھئے تو ہماری ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے کہ ہمیں مختلف لوگوں تک پہنچنا ہے، ان کی زبان

سیکھ کر پہنچنا ہے، ان کی تاریخ کو پڑھ کر پہنچنا ہے، ان کی نفسیات کا مطالعہ کر کے پہنچنا ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے بڑی حکیمانہ بات کہتے تھے کہ یاد رکھو! اگر تم کھلے دروازے سے داخل ہو گے تو تمہاری عزت کی جائے گی، تمہاری بات سنی جائے گی اور اگر تم زبردستی دروازہ توڑو گے، یا زبردستی دروازہ کھلواؤ گے، کھولنے والا کھولنے کے لیے تیار نہیں ہوگا اور تم دھکا دے کر اندر داخل ہو گے تو تمہاری بات سنی نہیں جائے گی اور تمہاری حیثیت دشمن کی ہوگی۔ یہ ایک حکیمانہ بات ہے جو مولانا کہتے تھے، یہ وہی بات ہے جو قرآنی بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے یہ بات ارشاد فرمائی کہ

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً﴾ (آل عمران: ٦٤)

(آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے (وہ یہ) کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں۔)

یہ بات آپ ﷺ سے اہل کتاب کے لیے کہلوائی جا رہی ہے جو مشرک تھے، لیکن اس کے باوجود یہ بات کہی جا رہی ہے کہ پہلے اس چیز کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک common point ہے۔ اب آپ غور کیجیے یہ توحید جس کو common point کہا گیا، صرف اس حیثیت سے کہا گیا کہ وہ توحید کے مدعی تھے اور آپ ﷺ حقیقت توحید کے داعی تھے، لیکن انسانی مزاج یہ ہے کہ وہ کسی بھی حیثیت سے چاہے صورۃً ہی سہی اگر کسی چیز کو مانتا ہے اگر اسی کی دعوت دی جائے، پہلے اس بات کا تذکرہ کیا جائے تو اس کا ذہن ودماغ متوجہ ہوتا ہے، گویا یہ ایک common point ہے۔ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے یہی بات کہی کہ پہلے

ہمیں common point تلاش کرنا چاہیے، پہلے ہمیں ایسی بات کہنا چاہیے جس سے لوگ متوجہ ہوں۔ مولانا نے ہندوستان میں یہ common point تلاش کیا تھا اور وہ انسانیت تھا، انسانیت کو مولانا نے ایک موضوع بنایا اور پیام انسانیت کے نام سے ایک تحریک چلائی، مولانا نے اس کو محسوس کیا کہ یہ انسانی ہمدردی، یہ انسانی محبت اور یہ انسانی قدریں ایسی ہیں کہ اگر اس کے حوالے سے ہم لوگوں کو متوجہ کریں گے تو لوگ ہماری بات سنیں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ہمارا مطالعہ کریں گے اور ہماری زندگی کو دیکھیں گے، پھر کیا بعید ہے کہ یہ چیز ان کے اندر ایک تبدیلی کا ذریعہ بن جائے۔

آپ پوری تاریخ اٹھا کر دیکھئے: اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھ کر لوگ کتنی بڑی تعداد میں اسلام کے اندر داخل ہوئے، یا قرآن مجید کا مطالعہ کرکے اور اس کو پڑھ کر کتنی بڑی تعداد میں لوگ اسلام کے اندر داخل ہوئے، بنیادی طور پر یہی چیز ہمارے سامنے ہے، صحابہ کی زندگی ان کے سامنے آئی، پھر صحابہ کے بعد بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے، دعاۃ اور مصلحین پیدا ہوئے جن کی اخلاقی زندگی نے ایسا اثر ڈالا کہ بعض مرتبہ پورے کے پورے ملک اس اخلاقی اثر سے اسلام کے گرویدہ ہوگئے، تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں، آپ ہندوستان میں دیکھئے: محمد بن قاسم جو وہاں گئے اور ہندوستان کو انہوں نے فتح کیا، وہ فاتح تھے، وہ کوئی مصلح نہیں تھے، اس حیثیت سے ان کا نام نہیں جانا جاتا، لیکن اسلامی اخلاق ایسی چیز ہے کہ وہاں جانے کے بعد جب انہوں نے اسلامی اخلاق کا نمونہ پیش کیا، اس کے ایسے اثرات وہاں کے لوگوں پر پڑے کہ جب ان کو آنا پڑا اور یہ بھی تاریخ کا ایک المیہ ہے کہ وہ وہاں نہیں ٹھہر سکے، جب نکلنے لگے تو وہاں کے بڑے بڑے ہندو، بڑے بڑے پنڈت اور بڑے بڑے وہ لوگ جو ہوسکتا ہے کہ ان کے دشمن ہوتے کیونکہ فاتح کے لوگ دشمن ہوتے ہیں، لیکن ان کے جاتے وقت لوگ رو رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ

آپ سے ہمیں بہت کچھ ملا، آپ یہاں سے جا رہے ہیں، یہ ہمارے لیے بہت بڑا خسارہ ہے، آپ نے ہمیں محبت دی، آپ نے ہمیں انسانیت کا سبق دیا، آپ نے ہمیں زندگی کا وہ راستہ بتایا جس سے ہم بالکل ناواقف تھے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا واقعہ ہے کہ جب وہ ہندوستان تشریف لے جا رہے تھے، تو شہاب الدین غوری حملہ کر کے ناکام ہو کر واپس جا رہا تھا، اس نے خواجہ صاحب کو دیکھا تو بولا کہ حضرت کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت نے کہا: ہندوستان جا رہا ہوں، اس نے کہا کہ حضرت زمین بڑی سنگلاخ ہے، میں کئی مرتبہ گیا لیکن مجھے کامیابی حاصل نہیں ہوئی، تو حضرت نے عجیب جملہ فرمایا کہ تم جسموں کو فتح کرنے جاتے تھے اور میں دلوں کو فتح کرنے جا رہا ہوں، پھر تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لاکھوں لاکھ لوگ ان کے ذریعہ سے ان کے اخلاق کو دیکھ کر اور ان کے ایمان کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

یہ اصل دعوت کا مشن ہے، میں نے آپ کے سامنے جو آیت پڑھی اس میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ☆وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ☆وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

(حم السجدة: ۳۳-۳۵)

(اور اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور اچھے کام کیے اور کہا کہ میں تو فرماں بردار ہوں اور اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں

ہیں، (بری بات کا) جواب ایسا دو جو بہت اچھا ہو تو دیکھو گے کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اب گویا وہ جگری دوست ہے اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں اور اسی کو ملتی ہے جو بڑی قسمت والا ہو۔)

آیت میں فرمایا گیا: ﴿قَالَ إِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ میں آپ سے صاف کہتا ہوں، آپ میں علماء بھی ہیں اور جاننے والے بھی ہیں کہ "قَالَ" کا لفظ یہاں زبان سے کہنے کے لیے نہیں ہے، "قَالَ" کا لفظ یہاں زبان حال سے کہنے کے لیے ہے، یعنی زندگی بولے کہ یہ مسلمان ہے، اخلاق بولیں کہ یہ مسلمان ہے، اس کی نگاہیں الگ ہیں، اس کے ہاتھ پاؤں کا طریقہ الگ ہے، زندگی کا نظام الگ ہے، گویا ہماری اخلاقی زندگی ایسی اثر انداز ہو، وہ لوگوں پر ایسا اثر ڈالے اور بولتی ہو کہ یہ مسلمان ہے، یہی بات قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی کہی گئی ہے کہ

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَل لَّکُمْ فُرْقَاناً﴾ (الأنفال: ۲۹)

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا لحاظ رکھو گے تو وہ تمہیں ایک امتیاز عطا فرمائے گا۔)

ظاہر ہے اللہ شان امتیازی اسی طرح عطا کرے گا جب ہم نمائندہ بنیں گے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ یہ نمائندگی صرف عقیدہ کی نہیں، یہ نمائندگی صرف عبادتوں کی نہیں بلکہ یہ نمائندگی پوری زندگی کی نمائندگی ہے، یہ اخلاق کی نمائندگی ہے اور سیرتِ طیبہ کی نمائندگی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ کے نبی ﷺ کے متعلق یہ بات کہی گئی کہ

﴿قُلْ إِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)

(آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، اللہ تم سے

محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت
مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔)

اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ ہم نمازوں کی سنتوں کا اہتمام کرلیں، یا وضو کی سنتوں کا اہتمام کرلیں اور عبادتوں کی سنتوں کا اہتمام کرلیں، یقیناً سنتوں کا یہ اہتمام ہمارے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کے ساتھ سیرتِ طیبہ کے جو واقعات ہیں، جو آپ کی اخلاقی زندگی ہے، آپ کا دشمنوں کے ساتھ جو سلوک ہے، آپ کا غیروں کے ساتھ جو برتاؤ ہے، وہ سارے نمونے ہمارے لیے سنت کا درجہ رکھتے ہیں، آج افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم نے سنتوں کو بھی خانوں میں بانٹا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وضو کی سنت ہے، یہ نماز کی سنت ہے، یہ روزہ کی سنت ہے، یہ حج کی سنت ہے، یہ عبادتوں کی سنت ہے، لیکن کیا ہم کو یہ معلوم ہے کہ اخلاق کی سنت کیا ہے؟ آپ کا اپنے گھر والوں کے ساتھ کیا طریقہ تھا؟ آپ کا غیروں کے ساتھ کیا طریقہ تھا؟ آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی آج currept ہورہی ہے، ہم اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے روادار نہیں، ہم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے، حالانکہ اصل ذمہ داری مرد کے اوپر ہے، قرآن مجید میں ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، فرمایا:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء: ۱۹)

(اور ان کے ساتھ اچھی گذر بسر رکھو۔)

عورت کے متعلق یہاں تک کہا گیا کہ اس کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، اگر تم یہ چاہو کہ اس کو سیدھا کردو تو ٹوٹ جائے گی، تمہیں اسی ٹیڑھے پن کے ساتھ اس کے ساتھ نباہ اور گذارا کرنا ہے، آج ہمارے گھروں کا ماحول بہت ہی تیزی کے ساتھ غلط رخ کی طرف جارہا ہے، آج کثرت سے علیحدگیاں ہورہی ہیں، اس کا سبب صرف یہ

ہے کہ ہم اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کر رہے ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ کا مبارک طریقہ آج ہمارے سامنے نہیں ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ہم سے محبت کی باتیں کرتے تھے، ہم سے کھیل کرتے تھے، یہاں تک ہوا کہ ایک مرتبہ حبشی آئے، وہ اپنا کھیل دکھا رہے تھے، حضرت عائشہ چھوٹی تھیں، وہ کھیل دیکھنا چاہتی تھیں، آپ ﷺ آکر کھڑے ہوئے اور وہ آپ کے پردے میں کھڑے ہوکر آپ کے سر مبارک اور کاندھے کے درمیان سے دیکھتی رہیں اور دیر تک دیکھتی رہیں، جب تک انہوں نے خود نہیں کہا اس وقت تک آپ ﷺ نہیں ہٹے، اگر کوئی بڑا عالم ہوتا، کوئی بڑا شیخ ہوتا تو کہتا کہ ہمیں بہت کام ہے، ہمیں فرصت نہیں ہے، یہ تم نے کہاں ہمیں ڈال دیا؟! معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے سامنے سیرت کا یہ نمونہ ہے، ازواج مطہرات کے ساتھ نمونہ ہے، آپ کی صاحب زادیوں کے ساتھ نمونہ ہے اور آپ کے گھر والوں کے ساتھ نمونہ۔ حدیث میں آتا ہے:

”خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلی.“

(سنن الترمذی: ٤٢٦٩)

(تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ بہتر ہوں۔)

دوسری جگہ حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ بیٹھے ہوتے اور ہم سے باتیں کر رہے ہوتے، پھر جب اذان ہوتی تو آپ اس طرح اٹھ کر چلے جاتے جیسے آپ بالکل پہچانتے ہی نہ ہوں، یہ نمونہ ہے پورے توازن کے ساتھ، آج ہماری زندگی کے اندر جو ناہمواریاں ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ صرف اس لیے کہ ہم نے اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک سیرت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔
میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں اپنی سماجی زندگی اور اپنی اخلاقی زندگی کو

دیکھنے کی بہت ضرورت ہے، آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ سیرت کے اندر اس کی آخری مثالیں ہمارے سامنے ہیں، غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر آپ ﷺ کو شہید کرنے کے لیے جو شخص آیا پھر آپ ﷺ کے ہاتھ میں تلوار آگئی اور آپ نے اس سے کہا کہ اب تیرا کیا ہوگا؟ تو وہ بولا: آپ تو بڑے کریم ہیں، بڑے رحیم ہیں، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، کیا تم کلمہ پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: میں کلمہ تو نہیں پڑھ سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا: چپکے سے تیزی کے ساتھ چلے جاؤ۔ آپ غور کیجیے کیا اسلام جبر کا مذہب ہے؟ قرآن وحدیث کی یہ تعلیمات ہمیں صاف بتاتی ہیں کہ وہ ہرگز کسی جبر کا مذہب نہیں، وہ صاف اعلان کرتا ہے کہ

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (البقرة: ٢٥٦) (دین میں کوئی زور زبردستی نہیں۔)

اسلام صرف یہ کہتا ہے کہ بس تم اپنی بات کہہ دو اور پہنچا دو، ہدایت تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہے گا دے گا، لیکن اخلاق کی بلندی دیکھئے کہ جو شہید کرنے کے لیے آیا، آپ ﷺ نے اس کو بھی معاف کردیا اور فتح مکہ کی مثال تو آخری مثال ہے، جب مکہ فتح ہوا اور آپ حرم شریف میں تشریف لے گئے، مشرکین مکہ کا ایک جم غفیر موجود تھا، آپ ﷺ نے بجائے اس کے کہ دس ہزار کا جو مسلح لشکر تھا، اگر آپ حکم دیتے کہ یہ دشمن صحابہ، یہ دشمن رسول، یہ قاتلین صحابہ، یہ حضور کو شہید کرنے کے ارادے کرنے والے ہیں، ان سب کو یہاں سے صاف کردو اور ان کو ختم کردو، تو سب کے سر تن سے جدا کردیئے جاتے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا:

"لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم" (سنن البيهقي: ١٨٠٥٤)

(جاؤ تم پر کوئی دار و گیر نہیں، اللہ تمہیں معاف کردے۔)

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کی پوری قوم دین اسلام میں داخل ہوگئی اور ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجاً﴾ (لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہورہے ہیں) کا سماں بندھ

گیا، ظاہر ہے یہ اخلاق ہی کا نتیجہ ہے۔

میرے بھائیو!

ہمیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں اپنے اندر کی زندگی کو بھی دیکھنے کی ضرورت ہے اور اپنے باہر کی زندگی کو دیکھنے کی بھی ضرورت ہے، میں خاص طور سے ان مسلمانوں سے کہتا ہوں جو امریکہ میں رہنے والے ہیں اور مختلف ملکوں سے یہاں آئے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ ان کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے، آپ ہوسکتا ہے سوچتے ہوں کہ یہ کام تو ہندوستانی مسلمانوں کا تھا، وہاں کے علماء کا تھا، یہ کام تو حجاز مقدس کا تھا، وہاں کے علماء کا تھا، مصر وشام کا تھا جہاں بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کسی کی جاگیر نہیں، اللہ کا نظام ہے، اللہ جس کو چاہے کھڑا کردے، اللہ نے تاتاریوں کو کھڑا کردیا اور ان کے ذریعہ سے اللہ نے کتنا بڑا کام لیا، یہاں اس ملک میں جس کو سب سے بڑا دشمن سمجھا جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اللہ کا شاید کچھ اور فیصلہ ہو، کیا بعید ہے کہ یہ ملک اسلام کا پاس بان بن جائے، لیکن اس میں سب سے بڑی ذمہ داری ہماری اور آپ کی ہے، یہاں آنے والوں اور یہاں رہنے والوں کی ہے کہ ہم کون سا نمونہ پیش کرتے ہیں، اپنی زندگی ہم کیسی گزارتے ہیں، اگر ہماری سماجی زندگی currept ہوتی ہے اور ہم اپنے گھروں کا مزاج نہیں بنا پاتے، تو ہم دوسروں کو کیا تعلیم دیں گے، اگر وہ ہمارے گھروں میں آکر ہم کو دیکھیں تو وہ کیا کہیں گے؟!

میرے دوستو!

ہم بازاروں میں ہیں، ہم سڑکوں پر ہیں، ہم کاروبار اور بزنس میں ہیں، ہمارے پاس موقع ہے، ہم دوسروں کے ساتھ سلوک کریں، ہم دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلام کے بارے میں لوگوں کے سامنے ایک اچھا نمونہ جاتا ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا واقعہ ہے، مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ گجرات کے ایک بڑے عالم تھے، وہ بھی حضرت مولانا کے ساتھ سفر میں تھے اور سہارنپور کا سفر تھا، ایک کیبن میں چار سیٹیں تھیں، دو سیٹیں حضرت مولاناؒ اور مولانا عبد اللہ صاحب کی اور دو سیٹیں دو نوجوان ہندوؤں کی تھیں، وہ دونوں بڑے پڑھے لکھے تھے، ان میں سے ایک نوجوان اسمبلی کے ممبر بھی تھے، جب رات کا وقت ہوا تو ایک ہندو بوڑھی خاتون آئی، کہنے لگی کہ میری بغل میں سیٹ ہے، لیکن اوپر کی ہے اور میرے نیچے دونوں سینئر سٹیزن ہیں، میں ان سے Request نہیں کرسکتی، اگر آپ میں سے کوئی مجھے اپنی سیٹ دے دے تو میں سو جاؤں گی، ورنہ رات بھر بیٹھی رہوں گی، میں اوپر والی سیٹ پر نہیں چڑھ سکتی، یہ سن کر وہ دونوں نوجوان بیٹھے رہے، وہ ہندو عورت جس کے تلک لگا ہوا تھا، جب مایوس ہوکر جانے لگی تو حضرت مولاناؒ نے کہا: بہن! فکر نہ کرو، یہ میری نیچے کی سیٹ ہے، تم یہاں آکر سو جانا، اس کو عجیب لگا کہ ایک ادھیڑ عمر کا مسلمان پیشکش کررہا ہے، باقی ہندو بیٹھے ہوئے ہیں، وہ شکریہ ادا کر کے چلی گئی، گویا کہ ایک پیغام اللہ نے اس کے دل میں ڈال دیا، اس کے بعد جب وہ چلی گئی تو مولانا عبد اللہ صاحب نے کہا کہ حضرت! آپ نے غضب کیا، کیونکہ مولانا کو اس وقت Gout کی تکلیف تھی، مولانا عبد اللہ صاحب نے کہا: آپ اوپر کیسے چڑھیں گے، آپ نے تو اپنی نیچے کی سیٹ ان کو دے دی، تو حضرت مولاناؒ نے عجیب جملہ کہا کہ مولوی عبد اللہ! اسلام کا اخلاقی نظام پیش کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا، اگر موقع مل جائے تو چاہے مشقت اٹھانی پڑے، لیکن اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔

ظاہر ہے یہ ہمارا طریقہ ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا دیا ہوا طریقہ ہے، آپ ﷺ نے کس درجہ اخلاق کا مظاہرہ فرمایا، اس کی مثالیں ایک نہیں درجنوں ہیں، وہ ایسا نمونہ ہے کہ صحابہؓ نے اس کو جذب کرلیا اور ایسا جذب کیا اور

ان کی بھی اخلاقی زندگی اتنی بلند ہوگئی جن کا حال یہ تھا کہ بات بات پر جھگڑنے والے تھے، ان کے متعلق مشہور ہے کہ

کبھی گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
کبھی پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یوں ہی ہوتی رہتی تھی تکرار ان میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

زمانہ جاہلیت میں جن کا حال یہ تھا، اس کے بعد ان کی حالت یہ ہوگئی کہ

جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ
جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ

اس سلسلہ میں صلح حدیبیہ کی میں مثال دیتا ہوں کہ جب آپ ﷺ نے صلح کی تو کس قدر دب کر صلح کی کہ کلیجے منہ کو آ گئے، حضرت عمر جیسا آدمی کہتا تھا کہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے؟ لیکن اللہ کا حکم تھا کہ اس وقت صلح کرنی ہے، جب صلح ہوگئی تو تاریخ کا یہ عجیب وغریب واقعہ ہے، آپ ﷺ وہاں سے نکلے تو سورۂ فتح نازل ہوئی:

﴿إِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِينًا﴾ (یقیناً ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی ہے۔)

اس وقت لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کون سی ''فتح مبین'' ہے، بظاہر ہم نے تو دب کر صلح کی، ہم یہاں ناکام پھر رہے ہیں، ہم عمرہ کرنے آئے تھے، ہمیں عمرہ نہیں کرنے دیا گیا، ہم مدینے واپس جا رہے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ ہم نے فتح مبین عطا کی، لیکن آگے کے جو دو سال تھے، انہوں نے دکھا دیا کہ یہ کون سی فتح مبین تھی؟! تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ ان دو سالوں میں لوگوں کو خوب موقع ملا، اس سے پہلے جو وقت گذرا تھا، وہ آپس میں جنگوں میں گذرا، تو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا،

لیکن یہ دو سال ایسے گذرے کہ مسلمان مکہ گئے اور مکہ والے مشرک مدینے آئے، ایک دوسرے سے کاروبار ہوا، تب انہوں نے دیکھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ان کی کیا دنیا ہے؟ یہ تو نہ جانے کیا سے کیا ہوگئے؟ اخلاق کی بلندی جب ان کے سامنے آئی تو ان کے دل بدل گئے، تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ ان دو سالوں میں لوگ اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے جو اٹھارہ بیس سال میں نہیں ہوئے تھے۔

میرے بھائیو!

میں سمجھتا ہوں کہ آج ہمیں اللہ نے اس کا موقع دیا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ آج سے تیس چالیس پچاس سال پہلے یہاں کے حالات دوسرے تھے، لیکن آج الحمدللہ اس ملک کے حالات کچھ اور ہیں، سیاست کی جو کچھ بھی پالیسیاں ہوں' اس سے ہمیں بحث نہیں، ہمارا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہم اپنی زندگی پر غور کرلیں، اگر ہم اپنی زندگی کا رخ درست کرلیں اور ایک نمونہ کی زندگی اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا بنا دیں گے کہ ہماری زندگی سے اسلام پھوٹے گا اور ہماری زندگی کو دیکھ کر لوگ اسلام میں داخل ہوں گے، اللہ کا فضل ہے اس مسجد سے یہ کام ہو رہا ہے، الحمدللہ یہاں سے یہ پیغام دیا جا رہا ہے، لیکن اس کی ضرورت ہے کہ اور بڑے پیمانہ پر یہ کام کیا جائے اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ میں صاف کہتا ہوں کہ اللہ کے لیے جو کام ہوتا ہے وہی مقبول ہوتا ہے، لیکن یہ مظاہرہ حقیقت میں ہماری ذات کا مظاہرہ نہیں ہے، ہمارے کاموں کا مظاہرہ نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام کی حقانیت کا مظاہرہ ہے اور اسلام کے اخلاقی نظام کا مظاہرہ ہے، اگر یہ ہم نے اختیار کرلیا تو آپ انشاء اللہ دیکھیں گے کہ کس طرح سے حالات بدلتے ہیں اور کس طرح سے اس کے بہتر نتائج ہمارے سامنے انشاء اللہ آتے ہیں، یہ اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک میں مختلف ممالک کے لوگ آتے ہیں اور یہاں

کاروبار کرتے ہیں، بعض لوگ یہاں چالیس پچاس سال سے مقیم ہیں اور بعض قریبی مدت میں آئے ہیں، ان کی دوہری ذمہ داری ہے، ایک طرف انہیں اپنے آپ کو بچا کر رکھنا ہے، انہیں اپنے آپ کو یہاں کی تہذیب اور culture میں ضم ہونے سے بچانا ہے۔ انہیں یہاں کے قومی دھارے اور یہاں کے culture کا رخ پھیرنا ہے اور اس کو ایک صحیح رخ دینا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ بھی اس دھارے میں ضم ہو جائیں اور اس culture کو اس طرح سے قبول کرلیں کہ بھول جائیں کہ ہماری کیا ذمہ داری تھی؟ اور اللہ نے کیسی قیمتی زندگی کا دستور ہم کو دیا تھا کہ اگر ہم یہ دستور اختیار کرتے اور اگر ہم یہ طریقہ اختیار کرتے تو ہم دینے والے ہوتے، ہم لینے والے نہ ہوتے۔ ہم یہ طے کریں کہ یہ طریقہ ہمیں اختیار کرنا ہے اور ہم انشاء اللہ ایک نیا نظام پیش کریں گے۔ حاصل یہ کہ ہمیں اپنی حفاظت، اپنے اسلامی ونبوی culture کی حفاظت، دین کی حفاظت، اعمال کی حفاظت، عقیدہ کی حفاظت اور صحیح فکر کی حفاظت کرنی ہے۔

آج کے اس ماحول میں جب طرح طرح کے لوگ کھڑے ہیں، گویا وہ اسلام کے ساتھ سودا کر رہے ہیں اور اسلام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں، ایسے حالات میں سلف نے جو دین کی صحیح ترجمانی کی، ہمیں اسی پر رہنا ہے اور دوسری طرف ہمیں ایسی زندگی اختیار کرنا ہے جو دوسروں کے لیے نمونہ ہو، یہ دو کام اگر ہم نے کر لیے تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں' کیا بعید ہے کہ اللہ اس ملک کو ایمان واخلاق کا ایسا مرکز بنا دے جہاں سے ساری دنیا میں یہ دولت تقسیم ہو۔ کسی دور میں حجاز مقدس سے ہمیں سب کچھ ملا، اس پر ہماری جان قربان، ہمارا مال قربان، ہمارا دل اور ہمارے دماغ کا وہی محور ہے، لیکن اس کے بعد اللہ نے اور ملکوں کو کھڑا کیا جہاں سے دین کی ترجمانی ہوئی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ جیسا آدمی ہندوستان میں پیدا ہوا اور ہندوستان کو قیادت کا موقع ملا، اخیر دور تک ہندوستان قیادت کرتا رہا، اسی طرح مصر وشام نے بھی

قیادت کی، لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا' بعید ہے کہ آپ کا یہ ملک بھی آگے چل کر اسلامی نظام کی قیادت کرے اور سارے عالم میں آپ کے ذریعہ سے اسلام پہنچے۔

اللہ نے آج آپ کو یہ موقع دیا ہے، آپ جس جگہ پر ہیں، آپ کا یہ پیغام ساری دنیا میں جاسکتا ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ یہاں سے Technology تقسیم ہوتی ہے، یہاں سے زندگی کی سہولیات تقسیم ہوتی ہیں، سب کچھ ہوتا ہے لیکن یہاں سے اصل زندگی کا جو جوہر ہے جس سے دنیا محروم ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ زندگی کا جوہر آپ یہاں پیدا کریں اور یہاں سے سارے عالم میں وہ جوہر تقسیم ہو، یہ اس وقت کی بڑی ضرورت ہے۔

میں بہت لمبی بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ چند بہت ضروری باتیں تھیں جو اللہ نے دل میں ڈالیں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ طے کیا کہ ایک تو اپنی زندگی کی ہمیں حفاظت کرنی ہے، صحیح اسلامی سماج پیدا کرنا ہے، اپنے بچوں کی صحیح فکر کرنی ہے، ان کے اندر اسلام کو باقی رکھنے کی تدابیر اختیار کرنی ہیں اور دوسری طرف ہمیں ایسی زندگی اختیار کرنی ہے کہ ہماری زندگی اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی کا نمونہ بن جائے، ہمارے اخلاق کی بلندی ایسی ہو کہ لوگ دیکھیں تو ان کے سر جھک جائیں اور محسوس کریں کہ ہمیں اسی کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا پیاسی ہے، آپ نمونہ پیش کر کے دیکھئے، پھر آپ اس کے نتائج محسوس کریں گے کہ لوگ کس طرح آپ کے پاس آئیں گے اور یہ جوان کی ضرورت ہے وہ کس طرح آپ پوری کر سکتے ہیں، لیکن یہ جب ہوگا جب کتابوں میں بند جو ایک نظام حیات ہے، جو زندگی کا ایک دستور ہے، جو اللہ کے نبی ﷺ نے دیا، اس میں عقائد بھی ہیں، عبادات بھی ہیں، اخلاق بھی ہیں، معاملات بھی ہیں، آپس کے روابط بھی ہیں، سب کچھ ہمیں بتا دیا گیا، اگر ہم نے اپنی عملی زندگی میں اسے اختیار کرلیا تو آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ اس کے دوسروں

تک کیسے نتائج پہنچیں گے اور بڑی حد تک اس کے تجربات آپ کو بھی ہورہے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے امام صاحب (مولانا طارق رشید) کی عمر اور ان کے کاموں میں برکت دے، مجھے انتہائی مسرت ہے کہ انہوں نے ایسی مسجد بنائی جو سادگی اور پرکاری کا ایک نمونہ ہے، مسجد دیکھ کر طبیعت خوش ہوئی، اللہ اس کو قیامت تک کے لیے آباد فرمائے، اللہ اس کو مرکز ہدایت بنائے، اس کے ذریعہ اللہ لوگوں کے دلوں میں ایمان منتقل کرے، پھر اس کے ساتھ دعوت کا مشن جاری ہے اور اخلاقی زندگی کا اظہار بھی ہورہا ہے، اس کو اور وسیع پیمانے پر کرنے کی ضرورت ہے، آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ اس کے کیسے نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہی دعوت ہے جس کا اس آیت میں تذکرہ ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ☆وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ☆وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

(حم السجدة: ۳۳-۳۵)

(اور اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور اچھے کام کیے اور کہا کہ میں تو فرماں بردار ہوں اور اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں، (بری بات کا) جواب ایسا دو جو بہت اچھا ہو تو دیکھو گے کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اب گویا وہ جگری دوست ہے اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں اور اسی کو ملتی ہے جو بڑی قسمت والا ہو۔)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہماری زندگی خود عمل صالح سے آراستہ نہیں ہے تو ہم کون سی دعوت کا کام کر پائیں گے؟ اس لیے ہم اچھے کام کریں اور زبان حال سے

کہیں کہ ہاں! ہم مسلمان ہیں، ہماری زندگی بولے کہ یہ مسلمان ہے پھر آگے فرمایا گیا: اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہے، اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی کرتا ہے تو تم اس برائی کا بدلہ اچھائی سے دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس سے تمہارے درمیان دشمنی ہے، وہ کل تمہارا جگری دوست بن جائے گا، لیکن دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک کرنا جگرے کا کام ہے، اسی لیے اللہ فرماتا ہے کہ یہ چیز انہی لوگوں کو ملتی ہے جن کو اللہ صبر و برداشت کی طاقت دیتے ہیں اور یہ نعمت اللہ انہی کو دیتا ہے جو بڑے نصیبے والے ہوتے ہیں۔

ہم کوشش کریں کہ اللہ ہمیں یہ نعمت عطا فرمائے اور ہم ایک نمونہ کی زندگی اختیار کریں، اللہ تعالیٰ اس ملک کو عالم کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنادے، لوگ کچھ اور سوچتے ہیں لیکن اللہ کے فیصلے کچھ اور ہوتے ہیں اور اللہ کے فیصلے نیتوں اور بندوں کے اعمال پر ہوتے ہیں، اگر آج انشاء اللہ ہم نیت کریں گے تو اللہ ہمارے لیے راستے کھولے گا، آپ ہرگز اس سے مایوس نہ ہوں کہ یہاں سو پچاس یا ڈیڑھ دو سو لوگ بیٹھے ہیں، ان کے کرنے سے کیا ہوگا؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک اللہ کا بندہ بھی کھڑا ہو جاتا ہے تو اللہ کے فیصلے اس کی قوتِ ایمانی پر ہوتے ہیں، اللہ کے فیصلے اس کے عزم و حوصلے پر ہوتے ہیں اور اتنی بڑی تعداد تو بہت کافی ہے، انشاء اللہ ہم اس کا ارادہ کریں گے اور اس کی کوشش کریں گے۔ اللہ آج کی اس حاضری کو قبول فرمائے، اس کو خیر کا ذریعہ فرمائے، اس ملک کو اللہ ایمان کے لیے قبول فرمائے، یہاں سے ٹکنالوجی تقسیم ہوتی ہے، دنیا کی ضرورتیں اور سہولتیں عام ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ یہاں سے حقیقت زندگی کی ایسی تصویر پیدا کردے کہ عالم میں ہدایت کا مرکز بن جائے اور یہاں سے لوگوں کو ایمان تقسیم ہو۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

جامع مسجد اسلامک سینٹر آف آرلنڈو، فلوریڈا
۱۲ر فروری ۲۰۲۵ء

اتمام دین، اتمام نعمت اور اس کے تقاضے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین وبعد! أعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

محترم حضرات!

میں نے کل چند باتیں آپ کے سامنے عرض کیں، آج میں یہاں کے ماحول کے اعتبار سے ایک اہم بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں، مجھے یہاں آئے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ ہوگیا، میں نے یہاں کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اور لوگوں سے ملاقاتیں کیں، کسی حد تک مجھے اندازہ ہوا کہ یہاں کیا نظام ہے اور کس اعتبار سے لوگ آگے بڑھنا چاہتے ہیں؟ الحمد للہ یہاں دینی بیداری بھی ہے، لیکن مجھے کچھ خطرات بھی محسوس ہوئے اور عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اگر آدمی کسی ایسے ملک میں، یا کسی ایسے شہر میں ہے جس کی ایک طاقت ہے، اس کا اپنا ایک کلچر اور تہذیب ہے اور وہ تہذیب بھی ایسی ہے کہ جس کا اثر پوری دنیا پر ہے، یہاں تک کہ مسلم ملکوں اور عرب ممالک پر بھی ہے، وہاں کے رہنے والے کہیں نہ کہیں اس سے ایسے متاثر ہوتے ہیں کہ ایک خطرہ پیدا

ہو جاتا ہے اور وہ خطرہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ دین کے سلسلہ میں ایک طرح کی غفلت اور تساہل و کمزوری ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے، ایک خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سماج، اس معاشرہ اور اس کلچر کا جہاں تک ہمارا دین ساتھ دے سکتا ہے، اس حد تک ہم دین کے پابند رہیں گے اور جہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ دین اس کلچر کا ساتھ نہیں دے سکتا تو ہم وہاں یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں آزادی ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین نے ہم کو یہ آزادی دی ہے، لیکن یہ ایک بہت بڑی بھول ہے۔

میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بعض مرتبہ آدمی چیزوں کو دیکھتا ہے اور پرکھتا ہے، مگر وہ ان کی حقیقت کو نہیں سمجھ پاتا، وہ کبھی کبھی سراب کو پانی سمجھ بیٹھتا ہے، جس کی قرآن مجید میں مثال بھی دی گئی ہے، سڑک پر ایک پیاسا شخص جا رہا ہے تو آپ نے بھی یہ محسوس کیا ہوگا کہ آگے پانی لگتا ہے، لیکن جب وہ اس کے قریب جاتا ہے تو سوائے انتہائی سخت گرمی و تپش کے وہاں کچھ نہیں ہوتا، تقریباً یہی صورت حال ہمارے اس سماج اور معاشرہ کی ہے، آدمی جب کسی جگہ داخل ہوتا تو اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اس کے لیے لطف و مزے کی ہیں، اس کی آنکھوں کو بھانے والی چیزیں ہیں، وہاں اس کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ داخل ہوتا چلا جاتا ہے، اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں، ابتدائی مرحلہ میں تو وہ متاثر ہوتا جاتا ہے، پھر ایک مرحلہ ایسا آتا ہے اس کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہ کیا کرے؟ وہ اس حد تک اندر چلا جاتا ہے کہ پھر اس کے لیے پلٹنا آسان نہیں ہوتا، پھر وہ ہاتھ پاؤں مارتا ہے، طرح طرح کی دشواریوں میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کو بالکل بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس ملک میں اور اس کے علاوہ بھی تقریباً سبھی مغربی ممالک کا یہی حال ہے بلکہ اس وقت تو مشرقی ممالک کا بھی یہی حال ہے، میں تو

مشرق میں یہ بات کہتا ہوں کہ یورپ کا اگلا ہوا نوالہ آپ کھانے کے لیے تیار ہیں، آج یہ آپ کی حیثیت بن گئی ہے، لیکن میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں ہمارے بھائی ایسے ہیں جو ابھی تک اس حقیقت کو نہیں پہنچ سکے، انہوں نے سب کچھ تجربے کیے کہ کن چیزوں سے ہمیں کیا مزہ ملتا ہے؟ ہم کہاں تک جا سکتے ہیں؟ لیکن ان کو اندازہ ہوا کہ ہمارے لیے یہ سکون کا راستہ نہیں ہے، پھر جب ان کو حقیقت نہیں ملی تو اس سکون کے راستہ کی تلاش میں وہ ایسے گرے کہ جانور بھی شرما جائے، آپ کے یہاں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں جن کا میں اپنے یہاں ہندوستان کی تقریروں میں تذکرہ کرتا رہتا ہوں۔

میں آپ سے اس وقت یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اپنی حقیقت بہت دماغ کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو جو دین عطا فرمایا ہے، وہ دین ایسا خوبصورت گلدستہ کی طرح ہے کہ اس کا ایک پھول بھی ہم ادھر سے ادھر نہیں کر سکتے اور اگر کریں گے تو اس کا حسن ختم ہو جائے گا، ہم نے اس کا تجربہ بھی کیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم نے دین کا تجربہ نہیں کیا اور ہم اس کی گہرائی تک نہیں پہنچے، اللہ نے اس کے اندر جو حلاوت رکھی ہے، اس کے اندر جو ایک مزہ رکھا ہے، اس کے اندر جو ایک کیفیت رکھی ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہم نے اس کا تجربہ نہیں کیا ہے، اگر ہم نے تجربہ کیا ہوتا تو ہماری کیفیت شاید کچھ اور ہوتی۔

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس لحاظ سے اس ملک کے اندر خطرہ میں ہیں، ایسا نہ ہو کہ آپ تخت کو تختہ بنائیں، قصہ مشہور ہے جو میں نے شاید پہلے بھی عرض کیا کہ کسی کمرہ کا دروازہ چھوٹا تھا، ایک خوبصورت تخت تھا جو اندر لے جانا تھا، اب بجائے اس کے کہ اندر جانے کا کوئی راستہ نکالا جاتا، لوگوں نے اس تخت کو کانٹ چھانٹ کے تختہ بنا دیا، اس میں کچھ نہیں بچا، وہ اس کو اندر لے کر گئے تو اس کی ہیئت بگڑ چکی تھی۔ آج ہماری

کیفیت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ اسلام کے خوبصورت تخت شاہی کو ہم تختہ بنانا چاہتے ہیں، یا یہ کہہ لیجیے کہ اسلام کے خوبصورت گلدستہ کو ہم بگاڑنا چاہتے ہیں۔

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی ذمہ داری کو محسوس کیجیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو جو دین عطا فرمایا' یہ ایک مکمل دین ہے، یہ ایسا ضابطہ حیات ہے کہ اس میں کسی ایک نقطہ اور حرف کا فرق نہیں ہوسکتا، آپ یاد رکھئے کہ بنیادی طور پر جو اصول ہمارے سامنے بیان کر دیئے گئے، عقائد ہوں، یا دوسری بنیادیں ہوں' ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی، ہاں! جو وسائل ہیں ان میں ہمیشہ تبدیلی ہوئی ہے، وسائل میں تو جدید سے جدید تر وسائل کو ہمیں اختیار کرنا ہے، بغیر اس کے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے، لیکن ہم اپنی بنیادوں کو نہیں چھوڑ سکتے، بنیادوں کا مطلب یہ ہے کہ جو اسلامی احکامات ہیں اور وہ اپنی جگہ پر بالکل اٹل ہیں، ان میں ایک حکم سے بھی ہم دست بردار نہیں ہوسکتے، وہ احکامات ہمارے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائی ہے جس کو میں نے آپ کے سامنے خطبہ میں پڑھا کہ

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کرلیا۔)

آپ غور کیجیے کہ یہ آیت کس پس منظر میں نازل ہوئی؟ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ جب میدان عرفات میں تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہودیوں نے جب اس آیت کو سنا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو ایسی آیت ہے کہ اگر ہمارے یہاں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو جشن کا دن بنالیتے، جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ

پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی اور وہ عرفہ کا دن تھا، اس میں تو یوں بھی دہرا جشن منایا جاتا ہے، گویا ایک جشن کے موقع پر ہی یہ آیت نازل ہوئی، اس لیے ہمیں الگ سے کوئی جشن منانے کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی یہ خوبی ہے کہ وہ کوئی چیز اوپر سے نہیں لادتا، اسلام تو اندر سے غیر معمولی حقائق پیدا کرتا ہے، جیسے بیج ہوتے ہیں، درختوں، پھلوں اور پھولوں کے بیج ہوتے ہیں، ان بیجوں کی طرح اندر جو چیز چلتی اور ابھرتی ہے پھر ایسے پھل پھول لاتی ہے کہ آدمی سوچ نہیں سکتا۔ ہمیں کوئی چیز اوپر سے لادنے کی ضرورت نہیں، اسلام ہمیں ایسے **orignal** پھول دیتا ہے کہ اس میں ہمیں کسی اور دوسری چیز کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

آپ غور کیجیے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، غرض انبیاء کرام علیہم السلام کا یہ ایک تسلسل ہے، اللہ نے ہمارے لیے کامیابی کا جو راستہ اسلام میں رکھا تھا، وہ اسلام ایسا نہیں ہے کہ اس کو حضور اقدس ﷺ اخیر میں لے کر آئے، یہ اسلام تو وہ ہے جو حضرت آدم لے کر آئے، حضرت نوح نے اس کی دعوت دی، انہوں نے تقریباً ساڑھے نو سو برس تک گویا اپنی ساری زندگی اسی میں کھپا دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے مجدد ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ''کلمۃ اللہ'' اور ''روح اللہ'' ہیں، وہ بھی کیسے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ یہ سارے حضرات حقیقت میں اسلام ہی کے داعی تھے، اللہ کے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو آپ نے اس کی تکمیل فرمائی۔ اس کا ذکر اللہ نے فرمایا:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ

لَکُمُ الإِسۡلَامَ دِیۡناً﴾ (المائدۃ: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کر لیا۔)

اللہ نے کون سا دین مکمل کیا؟ دین اسلام مکمل کیا، وہ اسلام جس کے معنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دینا ہے، اللہ کہتا ہے کہ یہ اسلام مکمل ہو گیا، کس پر مکمل ہوا؟ اللہ کے آخری نبی پر مکمل ہوا، گویا یہ آخری نبی، یہ آخری وحی، یہ آخری شریعت، یہ آخری دین اور یہ آخری نظام زندگی ایسا مکمل اور ایسا جامع ہے کہ اس میں ہر دور کے لیے بہترین نمونے ہیں، کوئی کیسی ہی ترقی کر جائے، کوئی ستاروں تک پہنچ جائے، کوئی چاند تک چلا جائے، یا زمین کی تہوں میں چلا جائے، وہ سب کچھ کر لے لیکن اسلام میں ایسی زندگی ہے اور اس نے علم کے ایسے سوتے جاری کیے ہیں کہ آدمی کہیں بھی چلا جائے اور ترقی کرے' اسلام ہر حال میں اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، شاید ہم اسلام کو نہیں سمجھتے، ہم اسلام کے حقائق سے واقف نہیں ہیں، ہم سے سب سے پہلی وحی میں کہا گیا کہ

﴿اِقۡرَأۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ﴾

(پڑھیے اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔)

آج دنیا پڑھ رہی ہے لیکن اس نے اللہ کا نام بھلا دیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لوگ بن موت مارے جاتے ہیں، آج لوگوں کے گلے کاٹے جاتے ہیں، آج ملک ملک پر قبضہ کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں خود غرضی کی آگ بھڑک رہی ہے، یہ صرف اس لیے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام فراموش کر دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان انسان نہیں رہ گیا' جانور ہو گیا۔ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، آپ پر یہ ذمہ داری ہے،

آپ کو دین کی پوری سلامتی کے ساتھ، پوری مضبوطی کے ساتھ سینے سے لگا کر رہنا ہے اور اس کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔

یاد رکھئے! اسلام ایک ہے، ہمیں پوری زندگی کا جو نظام بتایا گیا، اب یہ شریعت آخری شریعت ہے، یہ ایک ہے، اس میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی، ایسا نہیں ہے کہ حجاز کا اسلام الگ تھا، امریکہ کا اسلام الگ ہے اور افریقہ کا اسلام الگ ہے، اسلام وہی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دیا اور اس کے حقائق ہمارے سامنے کھولے۔

یاد رکھئے! کتاب وسنت یہ دونوں ایسی بنیادیں ہیں کہ جس پر اسلام اور شریعت کی پوری عمارت قائم ہے، اگر کوئی ایک بنیاد کو ہٹا دے تو عمارت ختم ہو جائے گی، یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں، آج کل بڑا دھوکہ ہوتا ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بس قرآن کافی ہے، قرآن پڑھ لو، نہ حدیث کی ضرورت ہے اور نہ سیرت کی، میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے تو وہ قرآن کا انکار کرتا ہے، ہمیں غور کرنا چاہیے کہ قرآن مجید ہم سے کیا کہتا ہے؟ قرآن میں اس سے متعلق ایک جگہ نہیں دسیوں جگہ آیتیں ہیں اور وہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾(النور: ٥٤)

(اور اگر تم ان کی بات مانو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔)

قرآن مجید میں یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر تنہا قرآن کافی ہوتا تو بس یہی کہا جاتا کہ بس قرآن کو پڑھ لو، لیکن قرآن صاف کہتا ہے کہ اگر نبی کی بات مانو گے تو ہدایت ملے گی، اس کے علاوہ بھی قرآن مجید آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ کو جا بجا بیان کرتا ہے، قرآن میں اس کے نزول کا یہ مقصد بتایا گیا ہے کہ

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾(النحل: ٤٤)

(اور (کتاب) نصیحت آپ پر اس لیے اتاری تا کہ آپ لوگوں کے لیے ان چیزوں کو کھول دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔)

آپ نماز پڑھتے ہیں، کیا قرآن مجید سے نماز کی چار رکعتیں، دو رکعتیں اور رکوع وسجود کی تفصیلات ملتی ہیں؟ ظاہر ہے ہمیں یہ سب تفصیلات اللہ کے نبی ﷺ کی زندگی سے ملتی ہیں، اسی لیے قرآن کہتا ہے کہ جو باتیں اس میں بتائی گئی ہیں' اس کی وضاحت اللہ کے نبی ﷺ ہی کریں گے، ان کے متعلق کہا گیا کہ

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ☆إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾(النجم: ۳-۴)

(اور وہ خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے۔)

اللہ کی طرف سے آپ کے قلب اطہر پر وحی نازل ہوتی ہے، پھر آپ اس کو اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں امت کے سامنے بیان فرماتے ہیں، یہ مقام ہے سرکار دوعالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا۔

بھائیو!

یہ ایک مکمل دین ہے جو اللہ کے نبی ﷺ کے ذریعہ سے ہم کو ملا، یہ ایک مکمل نظام زندگی ہے اور یہ ایسا دین ہے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، امریکہ کا دین الگ نہیں، یورپ کا دین الگ نہیں، ہندوستان کا دین الگ نہیں، ہمیں جو دین حجاز سے ملا، اللہ کے نبی ﷺ سے ملا، ہمیں قیامت تک اسی کو اپنے سینے سے مضبوطی کے ساتھ لگا کر رکھنا ہے اور اس پر قائم رہنا ہے، ایسا نہ ہو کہ ہم یہ کہیں کہ امریکہ ہمیں کچھ اور تعلیم دیتا ہے، یہاں کے تقاضے کچھ اور ہیں، تقاضے سب اپنی جگہ پر لیکن یاد رکھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا' وہ تقاضوں کو حل کرنے والا، مسائل کو حل کرنے والا اور ہمارے سامنے جو بھی دشواریاں ہیں ان کا حل کرنے والا ہے، مگر ظاہر ہے آپ کو یہ ساری چیزیں کون بتائے گا؟ یہ جاننے والے بتائیں گے، یہ علماء بتائیں گے، اس لیے اگر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم قرآن پڑھ کر دین سیکھ لیں گے، ہم حدیث

پڑھ کر دین سیکھ لیں گے، لیکن اس نے شروع سے لے کر اخیر تک نہ وہ پورے حقائق سمجھے ہیں، نہ وہ دین سے واقف ہے، تو وہ گمراہ ہوگا اور گمراہ کرے گا۔

یاد رکھئے! جس نے اپنی زندگی کتاب وسنت میں کھپائی ہے، عربی زبان کی مہارت میں پھر وہ گہرائی تک پہنچا ہے اور جس طرح ہمارے سلف نے دین کو سمجھا' ان تمام باتوں کی روشنی میں اس نے بھی دین کو سمجھا ہے، حقیقت میں وہ دین کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے اور یہ تو دنیا جانتی ہے کہ اگر آپ کو ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرنی ہو تو آپ کو ایک اچھے architecture کی ضرورت ہوتی ہے، یا اگر آپ کو خدانخواستہ کوئی بیماری لاحق ہوگئی تو آپ کسی ڈاکٹر کے پاس جائیں گے، اگر آنکھ کی بیماری ہے تو آنکھ کے ڈاکٹر کے پاس جائیں گے اور اگر خدانخواستہ آپ کے گردے فیل ہونے لگے، یا کوئی اور بیماری پیدا ہوئی تو آپ اس کے ماہر ڈاکٹر کے پاس جائیں گے، لیکن دین کو لوگوں نے ایسا ہلکا سمجھ لیا کہ جو چاہتا ہے وہ بولتا ہے۔ ہمارے ہندوستان کی زبان میں کہتے ہیں کہ جھولا چھاپ ڈاکٹر جان لے لیتے ہیں، وہ دوا سے واقف نہیں ہوتے اور لوگ بھی ان سے واقف نہیں ہوتے، وہ ان سے غلط دوا لے لیتے ہیں، یہاں تک کہ کبھی کبھی گردے فیل ہوجاتے ہیں، گویا جان لینے والے ڈاکٹر ہیں، اسی طرح اگر خدانخواستہ ہمارے وہ لوگ جو دین سے واقف نہیں، جن کی تعلیم نہیں، جنہوں نے پوری طرح سے علم حاصل نہیں کیا پھر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دین کو اپنے طور پر سمجھ لیں گے تو وہ خائن ہیں، وہ اپنے ساتھ بھی خیانت کر رہے ہیں اور دنیا کے ساتھ بھی خیانت کر رہے ہیں، وہ بہت بڑے دھوکہ میں ہیں، اگر دنیا اس بات کو نہیں سمجھتی تو حیرت ہوتی ہے کہ اس نے کون سا علم حاصل کیا ہے اور کن بنیادوں پر وہ آگے بڑھنا چاہتی ہے، وہ چیزیں جن کو آدمی سمجھ سکتا ہے' ان باتوں پر غور نہ کرے تو کیسا علم ہے؟!

اس وقت میں اس موقع پر خاص طور سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کسی نئے اسلام کو یہاں Develop نہ ہونے دیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ دین وہی

چلے گا جو آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت محمد عربی ﷺ نے ہم کو دیا، یہی وہ دین ہے اور یہی وہ طریقہ زندگی ہے جو ہمیں صحیح راستے پر لے جائے گا۔ اس کے ذریعہ سے ہم دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت میں بھی کامیاب ہوں گے۔ یاد رکھئے! اس دین میں ہر چیز کا حل موجود ہے، اگر آپ دیکھیں تو اس کے جتنے بھی احکامات ہیں اور اس کے جتنے بھی اسرار ہیں، اس پر کام کرنے والوں نے کام کیا ہے، امام غزالیؒ کی ''احیاء العلوم'' دیکھئے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ''حجۃ اللہ البالغہ'' دیکھئے، حضرت مولانا علی میاں ندوی کی ''ارکان اربعہ'' دیکھئے جس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہوا ہے، ان کتابوں میں اسرار شریعت بیان کیے گئے ہیں، جب آپ ان پر غور کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں جو دین عطا فرمایا' اس میں آخری درجہ کی خوبصورتی اور حسن ہے، مگر ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے پیچھے کیا ہے؟

میرے بھائیو!

آپ یہ طے کرلیں کہ ہمیں انشاء اللہ اسی دین پر پوری طرح قائم رہنا ہے، ہمارے سامنے کیسے ہی تقاضے آئیں لیکن ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اصل تقاضا تو دین کا ہے، اللہ نے ہمیں جو احکامات دیئے ہیں، ان پر ہمیں چلنا ہے اور یہی کامیابی کا راستہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا انتخاب کیا اور اس کو نعمت کہا، گویا یہ اتمام نعمت بھی ہے، تکمیل دین تو ہے ہی یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو احکامات دیئے ہیں وہ مکمل ہوگئے، لیکن اس کے ساتھ یہ اتمام نعمت بھی ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک کے لیے زندگی کے جو تقاضے ہوسکتے ہیں، ان تمام تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہمیں ایسا دین عطا فرمایا جو ہر فردِ بشر کے لیے، ہر قوم کے لیے اور ہر ملک کے لیے ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر حقیقتِ دین کو آدمی سمجھ کر آگے بڑھے تو وہ کبھی بھی ناکام نہیں ہوسکتا، ہماری ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ ہم دین کو نہیں جانتے، ہماری ناکامی کا سبب یہ ہے کہ ہم آگے بڑھنا نہیں چاہتے اور حقیقت سے واقف نہیں ہوتے، جب ہم دین کی حقیقت

سے واقف ہوں گے تو انشاء اللہ ہم کسی بھی درجہ میں ناکام نہیں ہوں گے۔

ہمارے دل کا سکون، ہمارے دل کی راحت، ہمارے دماغ کا اطمینان پھر اللہ نے ہمیں جو جسم دیا ہے اس کے تقاضوں کی پوری رعایت جس طرح اللہ نے اس دین میں رکھی ہے اس طرح دنیا کا کوئی دین ایسا نہیں اور نہ ہی کوئی قوم ایسی ہے جس میں اتنی رعایت ہو، گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہم پر یہ اتمام نعمت ہے۔

اس کے بعد اگر خدانخواستہ ہم راستہ بھٹکتے ہیں، ہم غلط راستے کی طرف جاتے ہیں، سماج، تہذیب، کلچر اور مختلف ازم جو ہمیں نظر آتے ہیں، ہم اس سے متاثر ہوتے ہیں تو یاد رکھئے! یہ ہماری بھول بھی ہے اور ایک طرح کا احساس کمتری بھی ہے، میں اس کو احساس کمتری سے تعبیر کرتا ہوں، بعض مرتبہ احساس کمتری آدمی کو احساس برتری کی طرف لے جاتا ہے اور احساس برتری جب احساس کمتری کے بعد پیدا ہوتا ہے، تو پھر آدمی حقیقت سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ جہل مرکب کا شکار ہو جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ نہیں جانتا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ نہیں جانتا ہے، اسی کو جہل مرکب کہتے ہیں یعنی دہری جہالت اور دہری ناواقفیت، اس وقت ہمارا حال تقریباً یہی ہوتا جا رہا ہے، ان ملکوں میں بہت سے لوگ ہیں جو دین سے واقف نہیں، علم سے واقف نہیں، لیکن ان کو دعویٰ ہے کہ ہم بہت کچھ جانتے ہیں، ظاہر ہے وہ جہل مرکب کا شکار ہیں، وہ حقیقت میں احساس کمتری کا شکار ہیں جس کے نتیجہ میں یہ احساس برتری پیدا ہوا۔

میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اس بات کو طے کیجیے کہ ہمیں اسی دین پر چلنا ہے جو دین ہمیں حجاز سے ملا اور حضور اکرم ﷺ سے ملا، جیسے میں نے کل عرض کیا کہ دین میں ایک تسلسل ہے علماء کا، ماہرین شریعت کا اور دین کے جاننے والوں کا، انہوں نے ہمیشہ دین کو سمجھا اور سمجھایا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ رہے گا، اب اگر کوئی نئی بات کہتا ہے یا نئی بات لاتا ہے تو حدیث میں آتا ہے کہ

”من شذ شذ فی النار“(سنن الترمذی: ۲۳۲۰)

(جو شخص (دین سے ہٹ کر) نیا راستہ نکالے گا تو وہ جہنم کے لیے اپنا راستہ بنائے گا۔)

ایک بات اور یاد رکھئے! اللہ کی ذات غیرت مند ہے، اللہ کا دین بھی غیرت مند ہے، ہم کسی دوسرے کو متاثر کرنے کے لیے اس کی ایسی رعایت کریں کہ دین میں کمی بیشی کر دیں تو اللہ کو ایسے دین کی کوئی ضرورت نہیں، اللہ کو ایسے لوگوں کے اسلام لانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ تو دلوں کی کیفیت کو دیکھتا ہے، وہ یہ دیکھتا ہے کہ آدمی کے اندر قدر ومنزلت کی کیا مقدار ہے؟ کس حد تک اس کے اندر اس کا احساس ہے؟ اللہ تعالیٰ کو کسی کی پرواہ نہیں ہے، اگر کوئی ایک مرتبہ اعراض کرتا ہے تو اللہ دس مرتبہ اعراض کرتا ہے اور یہ بات قرآن مجید میں صاف کہہ دی گئی ہے کہ

﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم﴾

(محمد: ۳۸)

(اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو پیدا کر دے گا پھر وہ تمہاری طرح (نکمی) نہ ہوگی۔)

یعنی اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہیں مٹا دے گا، روگردانی کیا ہے؟ یعنی دین کو نہ سمجھنا، دین پر پوری طرح عمل نہ کرنا، اس کے اندر اضافہ وکمی کرنا، یہ حقیقت میں ”تولّی“ یعنی دین سے پھرنا ہے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ ہم دوسری قوم کو لا کر کھڑا کر دیں گے جو دین کو سمجھنے والی اور دین کی صحیح ترجمانی کرنے والی ہوگی اور وہ تمہاری طرح نکمی نہیں ہوگی۔

بھائیو اور دوستو!

آج ہمیں یہاں یہ بات طے کرنی ہے کہ ہمیں انشاء اللہ مکمل دین پر قائم رہنا

ہے، حالات جو بھی ہوں ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہے اور دین کی صحیح ترجمانی کرنی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں کے ماحول میں گویا ایک نیا نظام اور ایک نیا دین سامنے آجائے جس کا تعلق اللہ کے نبی ﷺ کے لائے ہوئے اس دین سے نہ ہو جس کو آخری دین کہا گیا، جس کو آخری شریعت کہا گیا، آپ ﷺ آخری نبی اور یہ قرآن آخری وحی، آپ ﷺ کی باتیں آخری باتیں، اب نہ کوئی کمی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی اضافہ ہوسکتا ہے۔

اگر ہم نے یہ طے کرلیا تو انشاء اللہ ہمارا یہاں قیام باعث خیر و برکت ہوگا۔ ہم یہاں پر آئے کاروبار کے لیے آئے یا کسی اور مقصد کے لیے آئے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہاں آپ اپنے تشخص کے ساتھ رہیں گے، اپنے ایمان کے ساتھ رہیں گے، اپنی نمازوں کے ساتھ رہیں گے، ایمانی کیفیت کے ساتھ رہیں گے، اللہ کے ذکر و دھیان کے ساتھ رہیں گے اور سارے احکامات جو شریعت کے احکامات ہیں، اپنی پوری زندگی میں ان کو follow کر کے رہیں گے، تو آپ دیکھیں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو کیسی کامیاب زندگی عطا فرماتے ہیں، آپ کا یہاں آنا باعث خیر و برکت بنے گا اور یہاں والوں کی ہدایت کا ذریعہ بنے گا، آپ کی زندگی سے ایک نور پھوٹے گا، ایمان آپ کی زندگی سے نکلے گا اور اسلام بولے گا، اسلام کا جو اخلاقی نظام ہے اس کے متعلق میں نے کل عرض کیا تھا کہ اسلام کا یہ اخلاقی نظام آپ کی زندگی سے باہر نکلے گا تو لوگ دیکھیں گے، انشاء اللہ آپ محسوس کریں گے کہ لوگوں پر اس کا اثر پڑ رہا ہے، لیکن میں آج پھر یہ بات دہرانا چاہتا ہوں کہ اس کے لیے اصل بنیاد یہ ہے کہ ہمیں دین پر قائم رہنا ہے، اسلام پر قائم رہنا ہے پورے عقائد کے ساتھ، پوری عبادتوں کے ساتھ، معاملات کے ساتھ، اخلاق کے ساتھ اور وہ سارا نظام جو ہم کو دیا گیا، ایک طرح کی پاکی، زندگی کی پاکی، پردہ کا اہتمام، پردہ صرف یہ نہیں ہے کہ نقاب پہنایا جائے، پردہ یہ ہے کہ جسم کو ڈھانپا جائے، جسم کو ساتر رکھا جائے اور ایسا نہ

ہو کہ ہم یہاں کے سماج کے اثر سے یہ ساری چیزیں بالائے طاق رکھ دیں اور سوچیں کہ اب تو چودہویں اور پندرہویں صدی آ گئی، اب ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں، اب تو دین میں کچھ تبدیلی ہونی چاہیے، یاد رکھیں! یہ تبدیلی کرنے کے بعد جب آدمی آگے بڑھتا ہے اور برائیوں میں پھنستا ہے، لذتوں میں جاتا ہے تو اس کی ایک ایسی انتہا ہے کہ اس کے بعد اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ عالم تحیر میں ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جو لوگ یہاں کے رہنے والے ہیں، جن کے پاس نہ دین ہے نہ مذہب، انہوں نے سارے تجربے کیے، میں نے ایک واقعہ پڑھا کہ کچھ لوگوں نے لذتوں کو حاصل کرنے کے سارے تجربے کر لیے پھر انہوں نے سوچا کہ ہم سے اچھا تو جانور ہی ہے، تو وہ جنگل میں کپڑے اتار کر نکل گئے اور جس طرح جانور گھاس چرتا ہے، اسی طرح وہ بھی گھاس چرنے لگے کہ اس سے ہمیں سکون ملے گا۔ یہی وہ چیز ہے جو قرآن مجید کہتا ہے کہ

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ☆ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ﴾

(التین: ٤–٥)

(ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں (ڈھال کر) پیدا کیا ہے، پھر ہم نے اس کو نیچوں سے نیچا گرا دیا۔)

اسفل سافلین میں اللہ نے انسان کو اس طرح پہنچایا کہ جب اس نے ایک مرتبہ صحیح راستہ چھوڑا، تو اللہ نے اس کا رخ بدل دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ سمندر میں یہ جو بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں، اب تو ان کا اپنا ایک نظام ہوتا ہے، لیکن ایک زمانہ میں ایک سوئی ہوتی تھی، اگر اس سوئی میں ذرا سا بھی انحراف ہوا تو جہاز چلتا چلا جاتا تھا اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ کہاں پہنچ گیا؟ گویا ذرا سا انحراف ہونے سے وہ کہیں سے کہیں پہنچ جاتا تھا، لیکن دین کے اندر ذرا سے انحراف میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ اتنا تو چلتا ہے، حالانکہ ابھی تم ذرا سا آگے بڑھے ہو، ابھی تمہیں یہ بات ذرا سی نظر آ رہی ہے، تم کل

وہاں پہنچ جاؤ گے کہ تم ہاتھ پاؤں مارو گے لیکن تمہیں منزل نہیں ملے گی۔

میرے دوستو!

ہمیں پہلے مرحلہ میں یہ طے کرنا ہے کہ ہم ذرا بھی انحراف نہ کریں، دین میں ذرا بھی کمی بیشی نہ کریں، پردہ کا بھی اہتمام ہو، حیا کا بھی اہتمام ہو اور یہ جو دین کا پورا ایک ڈھانچہ ہے، شادی بیاہ کے موقع پر اور تمام زندگی میں' ہم ان تمام چیزوں کو follow کریں گے، تو ہمیں ایک اطمینان وسکون نصیب ہوگا، اللہ کی طرف سے ایمان کی حلاوت ملے گی، حدیثوں میں اس کا تذکرہ ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کے اشارے ملتے ہیں، لیکن اس کی شرط یہی ہے کہ ہم مکمل دین پر زندگی گذاریں اور اسی پر مریں، انشاء اللہ اس سے ایک نمونہ لوگوں کو ملے گا اور اس کے ذریعہ سے پورا دین انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ ورنہ اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں ایسی ایسی باتیں سامنے آتی ہیں اور یہاں یورپ وامریکہ میں خاص طور سے جہاں دنیا کی قومیں ہیں اور مختلف قسم کے کلچر ہیں، ایسے میں لوگ کہیں نہ کہیں متاثر ہو کر غلط راستہ اختیار کر لیتے ہیں، یہاں پر ہماری بڑی ذمہ داری ہے، کوئی کتنا ہی آگے بڑھ جائے، کوئی لیڈر بن جائے، لیکن اگر اس نے دین کو پوری طرح سے سمجھا نہیں ہے، تو یاد رکھئے کہ وہ خود بھی بھٹکے گا اور لوگوں کو بھی بہکائے گا، ہمیں خود اپنے طور پر دین کے اوپر جمنا ہے استقامت کے ساتھ، انشاء اللہ اللہ کی مدد ہوگی اور وہ ہمارے لیے راہیں کھولے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان باتوں کو ہم سب کے لیے خیر وبرکت کا ذریعہ بنائے، استقامت کا ذریعہ بنائے، جو باتیں کل عرض کی گئیں اللہ تعالیٰ اس کی بھی توفیق دے اور آج بھی جو باتیں کہی گئیں اللہ ہم سب کو توفیق دے اور اس کو خیر کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن
مسجد الاسلام، شکاگو
۱۳رفروری ۲۰۲۵ء

اختتامی درس شمائل ترمذی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا ونبينا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين وبعد!

بالسند المتصل منا إلىٰ الإمام الترمذي رحمه اللّٰه قال قال حدثنا محمد بن علي قال سمعت أبى يقول قال عبد اللّٰه بن المبارك رحمه اللّٰه: ”إذا ابتليت بالقضاء فعليك بالأثر.“

وبه قال حدثنا محمد بن علي حدثنا النضر بن شميل أخبرنا ابن عون عن ابن سيرين قال: ”هذا الحديث دين فانظروا عمن تأخذون دينكم.“

محترم حضرات!

”شمائل ترمذی“ امام ترمذیؒ کی کتاب ہے جو حضور ﷺ کے شمائل پر انہوں نے تصنیف فرمائی ہے، اس موضوع پر یہ منفرد کتاب ہے، یہ کتاب ہمارے یہاں حلقہ ہائے درس میں پڑھائی جاتی ہے اور یہ بڑی سعادت و برکت کی چیز ہے، اس کتاب میں اللہ کے رسول ﷺ کے شمائل کا تذکرہ ہے جس کی سب سے بڑھ کر ایک ایمان والے کو ضرورت ہے۔

میں نے آپ کے سامنے ابھی اس کتاب کی آخری دو روایتیں پڑھی ہیں، دراصل

اس کے آخری باب کا تعلق خواب سے ہے یعنی اللہ کے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھنا کیسا ہے؟! اس سلسلہ میں متعدد روایات منقول ہیں اور ان میں یہ بات کہی گئی ہے کہ

”من رانی فی المنام فقد رآنی فإن الشیطان لا یتمثل بی.“

(سنن الترمذی: ٢٤٤٥)

(جس نے خواب میں میری زیارت کی تو گویا اس نے مجھے ہی دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔)

اس سلسلہ میں متعدد باتیں حضرات شراح کرتے ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اگر کسی نے دیکھا اور اس نے یہ محسوس کیا کہ اس نے حضور ﷺ کی زیارت کی ہے تو اس نے حضور ہی کی زیارت کی ہے، چاہے شکل مبارک وہ نہ ہو جو اس نے دیکھی ہے، مختلف شکل ہو، اس لیے کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ شیطان کے بس میں یہ نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں یہ باور کرائے کہ وہ حضور ہیں اور وہ حضور نہ ہوں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں اور یہ بات کسی درجہ میں قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی مبارک شکل میں شیطان نہیں آسکتا، اللہ نے اس کو یہ قدرت نہیں دی، لیکن اس کا ایک احتمال ہے کہ دوسری شکل میں وہ دیکھے اور یہ خیال ہو کہ یہ حضور ہیں۔ ایسی شکل میں حضور اقدس ﷺ کا ہونا ضروری نہیں ہے، اس میں دھوکہ کا احتمال ہے اور بہت سے علماء اس رائے کو اختیار کرتے ہیں۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم پہلی رائے اختیار کریں تو بہت سارے ایسے خواب ہوتے ہیں جو بعض مرتبہ عین شریعت کے متصادم ہوتے ہیں مثلاً: بعض مرتبہ آدمی حضور کو خواب میں ایسا دیکھ رہا ہے کہ ممکن نہیں کہ وہ حضور ﷺ کی شکل وصورت میں ہو، یا ممکن نہیں کہ آپ وہ حکم دیں یا کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیں۔ اس کے بہت سے واقعات ہیں مثلاً: ایک بہت بڑے عالم و بزرگ نے یہ خواب دیکھا کہ حضور ﷺ

اسٹیشن پر تشریف فرما ہیں اور پینٹ شرٹ میں ملبوس ہیں۔ انہوں نے اس کی فوراً یہ تعبیر کی کہ حضور اسلام ہیں اور یہ جو لباس ہے' یہ اسلام کے اوپر مسلمانوں نے چڑھا دیا ہے، گویا یہ مغربی کلچر ہے جو مسلمانوں نے اختیار کرلیا ہے، اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اسی طرح بالکل قریب کی بات ہے، ہمارے بڑے بھائی حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کو اللہ نے تعبیر کا بڑا ملکہ دیا تھا، ایک صاحب جو نومسلم تھے اور داڑھی رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا' وہ فرماتے ہیں کہ تم اپنی داڑھی منڈادو، وہ پہلے غیر مسلم تھے، جب صبح اٹھے تو ان کو خیال ہوا کہ داڑھی منڈا دینا چاہیے، لیکن انہوں نے اس سے پہلے ہمارے بھائی مرحوم کو فون کیا کہ میں نے رات میں خواب دیکھا کہ حضور فرمارہے ہیں کہ مجھے داڑھی منڈالینا چاہیے، بھائی صاحب مرحوم نے کہا کہ آپ سمجھے نہیں، حضور یہ نہیں فرماتے کہ داڑھی منڈالو، بلکہ حضور یہ فرماتے ہیں کہ آپ جو دعوت کا کام کررہے ہیں' اس کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہ داڑھی ایک مظاہرہ ہے تو داڑھی منڈانے کا حکم نہیں ہے بلکہ اشارہ یہ ہے کہ آپ اپنے کام کا مظاہرہ نہ کریں، کام اللہ کے لیے کریں اور ہندوستان کے حالات کے اعتبار سے بھی یہ مفید نہیں ہے کہ آپ اس کا چرچا کریں۔

غرض کہ نہ جانے ایسے کتنے خواب ہوتے ہیں جن کو اس کے ماہرین ہی سن کر سمجھ سکتے ہیں، اسی لیے اگر آدمی ایسے شخص سے تعبیر لے جو فہم نہیں رکھتا تو وہ غلط تعبیر دے گا، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ تعبیر دینے کے لیے ایسا آدمی چاہیے جو صاحب فہم وبصیرت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ محبّ بھی ہو، آدمی جب محبّ ہوتا ہے تو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اچھی تعبیر دیتا ہے اور اگر چاہنے والا نہ ہو تو خواب کی ایسی تعبیر دے دیتا ہے جو مضر ہوتی ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ خواب دیکھنے کے بعد گویا وہ معلق ہوتا ہے، اس کی جو تعبیر دی جائے گی، وہ اس کے مطابق ہو جائے گا، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے

کہ خواب آدمی دیکھے اور اچھا خواب نہ ہو تو صدقہ خیرات کر دے اور اس کا تذکرہ بھی نہ کرے، لیکن ایک عام آدمی کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ خواب اچھا ہے یا برا؟!

آپ غور کیجیے خلیفہ عبدالملک نے خواب دیکھا کہ وہ منبر نبویؐ پر پیشاب کر رہا ہے اور اس نے کئی مرتبہ ایسا کیا۔ اس وقت ابن سیرینؒ موجود تھے، اس نے ان سے تعبیر پوچھی، وہ بہت پریشان تھا کہ کیا مسئلہ ہے؟ تو ابن سیرین نے پوچھا کہ تم نے کتنی مرتبہ پیشاب کیا؟ اس نے بتایا کہ تین مرتبہ پیشاب کیا، تو آپ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اولاد میں تین خلیفہ ہوں گے۔ اب اگر بظاہر دیکھا جائے تو اس خواب کو دیکھنے والا گھبرا جائے گا، لیکن وہ سمجھ گئے اور انہوں نے یہ تعبیر دی کہ تمہاری اولاد میں تین خلیفہ ہوں گے، گویا انہوں نے پیشاب کرنے کی تعبیر قوت واقتدار سے دی اور تین مرتبہ پیشاب کرنے کا مطلب یہ بتایا کہ اس کی اولاد میں تین خلفاء ہوں گے اور ایسا ہوا بھی۔

علامہ ابن سیرینؒ بڑے معبر تھے اور ان کے عجیب عجیب واقعات ہیں، امام مالکؒ مدینہ چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے، بس ان کا ارادہ ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ مزید حج کر لیں لیکن ڈرتے تھے کہ اگر یہاں سے نکلوں تو کہیں وفات نہ ہو جائے۔ ایک دن انہوں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا تو حضور سے پوچھا کہ حضور! یہ بتا دیجیے کہ میرا انتقال کب ہوگا؟ حضور ﷺ نے اشارہ کر کے فرمایا: پانچ؟ اب جب امام مالکؒ کی آنکھ کھلی تو وہ بڑے پریشان ہوئے کہ آیا پانچ دن مراد ہیں، پانچ مہینے یا پانچ سال؟ پھر انہوں نے ابن سیرین کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ جاؤ اور پوچھ کر آؤ مگر میرا نام نہ بتانا، جب ان سے تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے پوچھا کہ یہ خواب کس نے دیکھا ہے؟ امام مالک اپنا نام بتانے کو منع کر چکے تھے، اس لیے انہوں نے امام صاحب کا نام ظاہر نہ کیا، تو ابن سیرین خود کہنے لگے کہ یہ خواب امام مالک نے دیکھا ہے؟ وہ بولے: جی! انہوں نے ہی دیکھا ہے، پھر ابن سیرین نے فرمایا: یہ پانچ کا اشارہ نہ دن کا ہے نہ سال کا بلکہ اشارہ یہ ہے کہ

یہ ان علوم پنج گانہ میں سے ہے جس کا علم کسی کو نہیں، جس کا ذکر حدیثوں میں بھی آتا ہے اور قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کی تعبیر ہر آدمی نہیں دیکھ سکتا۔

خواب مبشرات ہیں، ایمان والے خواب دیکھتے ہیں اور ان کی مختلف قسمیں کی گئی ہیں، اس میں ''اضغاث احلام'' بھی ہیں یعنی بے حقیقت خواب ہوتے ہیں، ہمارے یہاں مشہور ہے کہ لوگ دال پی پی کر خواب دیکھتے ہیں، پیٹ کی خرابی میں جب ابخرات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں تو خواب نظر آتے ہیں اور خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جو شیاطین کے اثر سے ہوتے ہیں، تاہم جو خواب ''رؤیائے حق'' ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ سے دل و دماغ میں ان کو ڈالتے ہیں، وہ ''مبشرات'' ہیں اور مبارک خواب ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا کہ یہ خواب کس قسم سے ہے، یہ تو جب ہی پتہ چلے گا جب آدمی کسی سے تعبیر پوچھے گا، تو وہ معبر بتائے گا کہ یہ کس طرح کا خواب ہے۔ خواب کو نبوت کا چالیسواں حصہ بھی کہا گیا ہے یعنی اس پر بہت ساری ایسی باتوں کا ایک اثر ہے جس کا تعلق نبوءات یعنی غیب سے ہوتا ہے، جن کو آدمی نہیں جانتا ہے لیکن اللہ کی طرف سے کچھ خاص اشارے کیے جاتے ہیں، مگر اس کا فہم ہر ایک کو نہیں ملتا، اس فہم کے لیے کوئی صاحب فہم چاہیے، جب آدمی اس سے پوچھے گا تو وہ اس خواب کی صحیح تعبیر بتائے گا۔

شمائل ترمذی کی جو دو آخری روایتیں ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہاں کے لحاظ سے ان روایات کی بہت اہمیت ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے ان کی تشریح کروں تاکہ آپ سمجھیں کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ ان میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن المبارک کا قول ہے اور دوسرا ابن سیرین کا قول ہے، ظاہر ہے یہ حضرات کبار تابعین میں سے ہیں اور ان کی بڑی اہمیت ہے، ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ

''نحن رجال وھم رجال'' (ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی تھے۔)

یوں تو صحابہ بھی آدمی ہی تھے لیکن غیر معمولی فرق ہے، صحابہ نے حضور ﷺ کو دیکھا، اللہ نے ان کو وہ بلندی عطا فرمادی جس پر کوئی نہیں پہنچ سکتا، اسی طرح تابعین کو اللہ نے وہ مقام عطا فرمایا کہ انہوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے سیکھا، پھر ان میں جو کبار تابعین ہیں، جو صحابہ کے راستے پر ہیں، ان کا جو بلند مقام ہے وہ بعد میں آنے والوں کو مشکل سے حاصل ہوسکتا ہے، اس لیے آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے ایک بات کہی، وہ ان کی ایک بات تھی، ہمارے لیے اس کی وہ اہمیت نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت مؤید ہے بہت ساری ایسی روایات کی جو مرفوع ہیں اور آپ ﷺ سے منقول ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن المبارک کی اس حدیث کا مفہوم ایسا ہے جو قرآن مجید کی آیتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے، اس کی نفی نہیں کی جاسکتی، یہاں کے لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے، حضرت عبد اللہ بن المبارکؒ نے فرمایا: "إذا ابتليت بالقضاء فعليك بالأثر."

انہوں نے ایک مسئلہ سے متعلق یہ بات کہی کہ اگر تمہیں کبھی قاضی بنایا جائے اور اس مسئلہ میں تمہیں آزمایا جائے تو جو آثار منقولہ ہیں ہمیشہ ان کی پیروی کرو، ان کو دیکھو اور ان کے مطابق فیصلے کرو۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ زیادہ اپنی رائے کے چکر میں مت پڑو، اپنی رائے سے فیصلے کروگے تو اس کا خطرہ ہے کہ کہیں گمراہی میں نہ پڑ جاؤ۔ یہ بڑی اہم بات ہے، گرچہ انہوں نے یہ بات قضاء کے بارے میں فرمائی، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ ہماری پوری زندگی پر محیط ہے اور خاص طور سے جو حضرات علماء ہیں، چاہے وہ قاضی بنائے جائیں، چاہے وہ مفتی بنائے جائیں، چاہے وہ درس وتدریس کے کام میں مشغول ہوں، چاہے وہ صحاح ستہ پڑھائیں اور بڑی سے بڑی کتابیں پڑھائیں، اللہ ان کو علم غزیر عطا فرمائے، زیادہ سے زیادہ ان کو اللہ علم کی گہرائی عطا فرمائے، ان میں رسوخ فی العلم نظر آتا ہو، لیکن ایک سبق دیا گیا کہ کبھی بھی تم اس راستے

سے مت ہٹنا جوراستہ سلف کا ہے، سلف نے جوراستہ طے کیا، سلف نے جو بات کہی، جو بات ماثور اور منقول ہے، بس وہی اصل دین کی بنیاد ہے، اسی پر ہمیں چلنا ہے، اگر ہم اس سے ہٹیں گے تو خطرہ میں پڑیں گے اور اپنی عقل سے جب دین کو سمجھیں گے تو خطرہ میں پڑیں گے۔

میں ابھی یہاں کے مختلف شہروں میں ہوکر آیا، تو مجھے اندازہ ہوا کہ چونکہ یہ ایک بڑا ملک ہے، طاقت والا ملک ہے، یہاں جو قدیم رہنے والے لوگ ہیں یا یہاں کے جو اصل باشندے ہیں، ان کے اندر وہ ساری باتیں داخل ہوجاتی ہیں جو یہاں کے مزاج میں اور یہاں کی آب وہوا میں داخل ہیں، ان کے اندر اس کے خطرات پیدا ہوجاتے ہیں کہ ہم سے بڑا کون ہے؟ دنیا کو تو سب کچھ ہم supply کر رہے ہیں، ہم ٹیکنالوجی سپلائی کر رہے ہیں، مادیت سپلائی کر رہے ہیں، دنیا کو گویا دنیا سپلائی کر رہے ہیں، یہ جو دینے والی ایک بلندی ہے جو امریکہ کو ایک طویل عرصے سے حاصل رہی ہے، اس کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں یہ چیز ہمارے ان لوگوں کے اندر نہ پیدا ہوجائے جو علماء ہیں، جو دین والے ہیں کہ ہم تو بڑے لوگ ہیں، ہم زیادہ سمجھتے ہیں، پھر خاص طور سے جو دانشور طبقہ ہے، جس نے کتاب وسنت کا خود ساختہ مطالعہ کیا ہے، انہوں نے کسی کی سرپرستی میں اور کسی کی رہنمائی میں قرآن وحدیث کا مطالعہ نہیں کیا، ایسے لوگ سخت خطرے میں ہیں، ان کو ایک طرح کی تعلّی ہوتی ہے کہ ہم نے خود مطالعہ کیا ہے، ہم زیادہ جانتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ نہ وہ اصولوں سے واقف ہوتے ہیں، نہ بنیادوں سے واقف ہوتے ہیں، وہ بڑا دھوکہ کھاتے ہیں اور جب دھوکہ کھاتے ہیں تو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

اس وقت ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی بات پیش کرنے کا بڑا سلیقہ رکھتے ہیں، جب وہ بات کہتے ہیں تو عام لوگ اور خاص طور پر نوجوان متاثر ہوتے

ہیں، اس لیے کہ وہ زبان کے ماہر ہوتے ہیں، وہ بہتر طریقے پر اپنی بات کہتے ہیں اور اس سے لوگ دھوکہ کھاتے ہیں۔ میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں، آپ کے یہاں تو ماشاء اللہ بڑی شاندار سڑکیں ہیں، ان پر خوب گاڑی دوڑائیے اور نوجوانوں کو گاڑیاں دوڑانے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے لوگوں کی مثال ایسی ہی شاندار سڑکوں کی سی ہے، وہاں گاڑی دوڑانے میں بڑا مزہ آتا ہے، لیکن انہیں اپنی منزل کا علم نہیں ہوتا، بس وہ سڑک پر گاڑی دوڑائے چلے جارہے ہیں، وہ کہاں جائیں گے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں، بس گاڑی چلانے میں مزہ آرہا ہے۔ آج ہمارے نوجوانوں سے خاص طور پر یہی غلطی ہورہی ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کی سڑکیں بڑی شاندار ہیں، لیکن انہیں اپنی منزل کا پتہ نہیں، آج ہمارے نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ انہی کی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے ہیں، اگر تمہیں اپنی منزل کا پتہ نہیں تو یہ سفر کس کام کا ہے؟ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے، یاد رکھئے! سلف نے ہمیں جو منزل بتائی، چاہے اس کی سڑک ہمیں کہیں ناہموار نظر آئے لیکن ہمیں وہیں جانا ہے، اگر اس سے ہٹ کر ہم سڑک لے کر چلیں گے تو نہ جانیں کہاں پہنچ جائیں گے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ میں لکھنؤ سے چلا، مجھے ایک جگہ جانا تھا، اس سے آگے جھانسی کی طرف راستہ جارہا تھا، سڑک بڑی شاندار تھی، اب گاڑی جب دوڑائی تو یہ بھول گئے کہ جانا کدھر ہے؟ ۲۵ رکلومیٹر جانے کے بعد پتہ چلا کہ ہم تو آگے آ گئے، لیکن چونکہ منزل ہمارے پیش نظر تھی، معلوم تھا کہ جانا کہاں ہے؟ اس لیے پھر پلٹے اور واپس آکر ہم نے اپنی منزل لی۔

میرے دوستو!

پہلے اپنی منزل طے کرو اور یہ منزل ہم طے نہیں کریں گے، یہ منزل اللہ کے نبی ﷺ نے طے فرمائی ہے، یہ منزل تو صحابہؓ نے طے فرمائی، یہ منزل تو حضرات تابعین اور ائمہ کرام نے طے فرمائی جو ہمارے سامنے ہے، اس لیے اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ اللہ

نے ہمیں بڑی عقل دی ہے، ہمیں بڑا فہم دیا ہے، ہم خود مطالعہ کرلیں گے، ہم خود قرآن مجید پڑھیں گے، ہم خود حدیثیں پڑھیں گے، یاد رکھئے! اللہ کا نظام یہ ہے کہ جب کتاب اللہ کو رجال اللہ سے پڑھا جائے گا تو اس کی حقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ ذہن ودماغ میں اتاریں گے اور جو اپنے فہم سے پڑھے گا تو نہ جانے کدھر جائے گا اور کہاں کہاں ٹھوکریں کھائے گا؟!

واقعہ یہ ہے کہ شمائل کی اس روایت میں یہاں کے ماحول کے لحاظ سے خاص طور پر ایک بڑا سبق ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا:

"إذا ابتليت بالقضاء فعليك بالأثر."

اس روایت میں قاضی بنائے جانے کو آزمائش کہا گیا ہے، آدمی کو بڑا شوق ہوتا ہے امیر بننے کا، قاضی بننے کا بلکہ میں کہتا ہوں مفتی بننے کا، آدمی اس حد تک مفتی بنے کہ وہ لوگوں کو دین کی باتیں بتائے اور مسئلے بتا سکے، ظاہر ہے یہ ایک بہت مفید عمل ہے، قاضی بننا کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے متعلق حدیث میں بہت سخت الفاظ کہے گئے ہیں کہ

"من جعل قاضياً بين الناس فقد ذبح بغير سكين."

(سنن ابن ماجة: ٢٣٩٦)

(جس کو لوگوں کے درمیان قاضی بنایا گیا تو گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کردیا گیا۔)

ہماری اردو زبان میں ایسے موقع پر یہ تعبیر استعمال کی جاتی ہے کہ فلاں کو الٹی چھری سے ذبح کردیا گیا، گویا یہ ایک مصیبت اور آزمائش ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ اگر تمہیں قاضی بنایا جائے تو اپنی رائے پر مت چلو بلکہ جو آثار ہیں یعنی صحابہ کے آثار، یا کبار تابعین کے آثار ان کو فوقیت دو، یہ بڑی اہم بات ہے اور یہی تسلسل ہے کہ تابعین نے صحابہ سے سیکھا اور تابعین سے ان کے بعد والوں نے سیکھا۔ حدیث میں اس کا ذکر ہے:

"يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين

وانتحال المبطلين وتأويل الجاهلين."(كنز العمال: ۲۸۹۱۸)

(ہر نسل میں اس علم کے حامل ووارث ایسے عادل ومتقی لوگ ہوں گے جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف، اہل باطل کے غلط انتساب ودعوے اور جاہلوں کی دوراز کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔)

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ تیرہ سو سال گذر گئے، اس دین کو کسی نے سمجھا ہی نہیں، اب ہم نے سمجھا ہے، تو میں اس کو سب سے بڑی گمراہی سمجھتا ہوں، اس لیے کہ دین کے سمجھنے والے ہمیشہ رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے، شمائل کی آخری دو حدیثیں ہمیں یہی سبق دیتی ہیں۔

دوسری روایت میں کہا گیا جو اس کتاب کی سب سے آخری روایت ہے:

"هذا الحديث دين فانظروا عمن تأخذون دينكم."

(یہ حدیث دین وشریعت ہے، تو دیکھو کہ کس سے تم دین لے رہے ہو؟)

اب اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس دین کو ہم خود سمجھ لیں گے تو وہ دھوکہ میں پڑے گا، اس وقت یہ جو ایک افواہ پھیلائی جارہی ہے اور ایک مزاج بنایا جارہا ہے کہ علماء کی کیا ضرورت ہے؟ ہم خود ہی دین سمجھ لیں گے۔ یاد رکھئے! حقیقت میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہمیں کس سے دین سیکھنا ہے، کون لوگ ہیں جو دین کی باتیں بتارہے ہیں، اب ظاہر ہے کہ جو پوری طرح سے علم دین کو حاصل کرنے والے نہیں ہیں اور انہوں نے کسی کی سرپرستی میں دین کا علم حاصل نہیں کیا، اگر وہ کوئی بات کہیں گے تو خطرہ ہے، پتہ نہیں کہ وہ غلط کہیں گے یا صحیح اور یہ ہر جگہ ہورہا ہے، آپ کے اس ملک میں بھی ہورہا ہے، آج ایسے لوگ کھڑے ہوگئے ہیں جو نہ عالم ہیں، نہ انہوں نے دین کا علم حاصل کیا، نہ وہ عربی زبان سے پوری طرح واقف ہیں اور اس کے بعد دین میں وہ اپنی رائے دیتے ہیں، ان کا حال ایسا ہی ہے کہ نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان، بالکل وہی صورت حال ہے، اگر ڈاکٹر ادھورا ہے تو نہ معلوم کون سی دوا دے

دے کہ جان چلی جائے اور اگر مولوی ادھورا ہے، اس نے پورا علم حاصل نہیں کیا پھر وہ بیٹھ گیا لوگوں کو مسئلے بتانے، یا یہ کہ لوگوں کی رہنمائی کرنے تو کہاں جا کر بیڑا غرق کردے، کوئی بھروسہ نہیں۔ یاد رکھیں! آج کل کے دور میں ایسے جو لوگ ہیں وہ سب نیم ملا ہیں، ان کو کچھ پتہ نہیں کہ دین کیا ہے اور حقیقت دین کیا ہے؟

یہ دونوں روایتیں مرفوع نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں یہ تابعین کے آثار ہیں، لیکن آثار تابعین کی بھی ایک اہمیت ہے، اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی سوچ سمجھ کر گذارنی ہے، ہم دھوکہ میں نہ پڑیں، چاہے ہمیں کتنی ہی چرب زبانی نظر آتی ہو، میں کہتا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کی کوئی انگریزی بولے، عربی بولے، اردو بولے، لیکن وہ حقیقت دین سے ناواقف ہے، اس اعتبار سے کہ اس نے علمائے حق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا، وہ حقیقت سے ناواقف ہے، وہ اپنی رائے دیتا ہے اور ایسے شخص کے متعلق صاف صاف کہا گیا کہ

"من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ." (الترمذي: ۳۲۰۶)

(جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی اور بات درست بھی کہہ دی تو بھی اس نے غلطی کی۔)

اگر کوئی شخص قرآن میں رائے زنی کرتا ہے تو وہ غلط ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے قرآن مجید کی جو تشریح فرمائی ہے، وہ تشریح اللہ نے اپنے ذمہ رکھی ہے، جب قرآن مجید نازل ہوتا تھا تو کبھی آپ ﷺ جلدی جلدی پڑھتے تھے تاکہ کوئی چیز رہ نہ جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں کہ اس کا جمع کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے اور اس کا پڑھانا بھی ہمارے ذمہ ہے:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ☆إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ☆فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ☆ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ (القيامة: ۱۶-۱۹)

(آپ اس (قرآن کو پڑھنے) میں جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، اس کو محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے، پھر جب ہم (جبرئیل کی زبانی) اس کو پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ رہیں، پھر

اس کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ سے قرآن مجید کی وضاحت فرمائی:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ٤٤)

(اور (کتاب) نصیحت آپ پر اس لیے اتاری تاکہ آپ لوگوں کے لیے ان چیزوں کو کھول دیں جو ان کی طرف اتاری گئی ہیں۔)

اس قرآن مجید کی تشریح کرنے والے حضور اقدس ﷺ ہیں، اس سے ہٹ کر اگر کوئی قرآن کی تشریح کرتا ہے تو وہ مصداق ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسی قرآن سے لوگوں کو گمراہ بھی کرتا ہے:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيراً وَيَهْدِي بِهِ كَثِيراً﴾ (البقرة: ٢٦)

(اس کے ذریعہ سے وہ بہتوں کو گمراہ کرے گا اور بہتوں کو راستہ پر لے آئے گا۔)

جو قرآن مجید کو صحیح طریقہ پر نہیں سمجھتے اور اللہ کے نبی ﷺ جس طرح بتا رہے ہیں' اس طرح غور نہیں کرتے بلکہ اپنی رائے سے چلتے ہیں تو وہ گمراہ ہوتے ہیں۔ آج ایسے بہت سے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جو اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تو ''صلاۃ'' کا لفظ ہے اور اس کے معنی دعا کے ہیں، یہ نماز تو ملا لوگوں نے فرض کردی ہے، جب کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور: ٥٤)

(اور اگر تم ان کی بات مانو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔)

کہا گیا کہ اگر نبی کی بات مانو گے تو راستہ ملے گا، ظاہر ہے یہ راستہ کس نے بتایا؟ نمازوں کی ساری تفصیلات کس نے بتائیں؟ اللہ کے رسول ﷺ نے بتائی ہیں، قرآن کہتا ہے کہ نبی کے راستے پر چلو گے تو ہدایت ملے گی، ایسی ایک نہیں پچاسوں آیتیں ہیں جن میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں' اپنی

طرف سے نہیں فرماتے، یہ اللہ کی طرف سے وحی ہے جو آپ کے قلب اطہر پر اتاری جاتی ہے اور آپ اس کا تذکرہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ☆ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (النجم: ۳-۴)

(اور وہ خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی جاتی ہے۔)

یہ حدیثیں جو آپ کے سامنے پڑھی گئیں، اگر دیکھا جائے تو بظاہر ان دونوں روایتوں کا اس موضوع سے بہت گہرا تعلق نہیں، لیکن اس کی ایک بنیادی حیثیت ہے، اس لیے غالباً امام ترمذیؒ نے اسی پر اس کتاب کا اختتام کیا، گویا اس سے ایک مزید وضاحت کردی کہ جب تابعین یہ بات کہہ رہے ہیں تو اللہ کے نبی ﷺ کی سیرت، آپ کا طریقہ یہی ہمارے لیے کامیابی کا راستہ ہے، جو جتنا زیادہ اس کے قریب ہوگا ظاہر میں، باطن میں، فکر میں، طریقہ عمل میں اور طریقہ زندگی میں، وہ اتنا ہی زیادہ دین کے قریب بھی ہوگا اور اتنا ہی زیادہ دین کا مکمل اور صحیح ترجمان بھی ہوگا۔

اللہ نے آپ کو توفیق دی، معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ یہ کتاب آپ لوگوں کے سامنے پڑھی جا رہی ہے، آج الحمد للہ اس کی تکمیل ہو رہی ہے، اس گنہگار کے لیے سعادت کی بات ہے کہ اللہ نے اس موقع پر حاضری کا موقع دیا اور میں یہاں حاضر ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلہ کو بے حد مفید فرمائے، امید ہے اور بھی اس طرح کے سلسلے یہاں جاری ہوں گے، یقیناً سننے والوں کے لیے عین برکت بھی ہے، اللہ تعالیٰ عمل کے راستے کھولے، آپ ﷺ کا مبارک طریقہ کیا تھا؟ آپ کے شمائل کیا تھے؟ آپ کی عادتیں کیا تھیں؟ آپ کا طریقہ زندگی کیا تھا؟ یہی ہمارے لیے اصل دولت ہے جس سے ہمیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، جو جتنا زیادہ اللہ کے نبی ﷺ کی مبارک زندگی سے قریب ہوگا، بس وہی کامیاب ہے، قرآن مجید میں کہا بھی گیا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)

(آپ فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔)

سوچنا چاہیے کہ یہ کتنی بڑی بات ہے، اس میں آپ کے مقام بلند کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو نبی کے راستے پر چلو، تبھی تم محبّ ہو اور تم محبوب شمار کیے جاؤ گے، اس سے بڑھ کر ہمارے لیے کیا سعادت ہوسکتی ہے، قرآن مجید نے صاف کہا کہ یہ نبی کا راستہ ہے، اسی پر چلو، یہی کامیابی کا راستہ ہے۔ الحمدللہ ان شمائل سے ہمیں ایک راستہ ملتا ہے، آدمی عمل کرے ظاہری اعتبار سے بھی، باطنی اعتبار سے بھی، کیفیات کے اعتبار سے بھی جس کا حدیث میں بھی تذکرہ ہے کہ

"صلوا کما رأیتمونی أصلی."(سنن الدارقطنی: ۱۰۷۹)

فرمایا کہ جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسی نماز پڑھو یعنی ظاہر میں بھی باطن میں بھی اور نماز کے اندر آپ ﷺ کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، لگتا تھا کہ ہانڈی پک رہی ہے، روایات میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ

"له أزیز کأزیز المرجل."(سنن النسائی: ۱۲۲۲)

پتہ چلا کہ ہمیں ظاہری شکل بھی وہی اختیار کرنی ہے اور باطنی کیفیت بھی حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے، تب یہ دین مکمل ہوگا۔ حج کے موقع پر آپ نے فرمایا:

"خذوا عنی مناسککم"(مسند أحمد: ۱٤۷۹۳)

فرمایا کہ مناسک حج کو مجھ سے سیکھو، پتہ نہیں کہ آئندہ میں ملوں یا نہ ملوں۔

معلوم ہوا کہ یہی اصل دین ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے راستے پر چلنا اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے، آپ حضرات کو بھی اللہ توفیق عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس حاضری کو قبول فرمائے اور برکت کا ذریعہ بنائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین

خطابِ جمعہ
یونٹی اسلامک سنٹر، شکاگو
۱۴؍فروری ۲۰۲۵ء

زمانہ کا حقیقی خلا

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین وعلیٰ من تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم إلیٰ یوم الدین أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ صدق اللّٰہ العظیم.

محترم حضرات!

آج جمعہ کا مبارک دن ہے اور اس دن سورۂ کہف کا پڑھنا باعثِ خیر و برکت ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سورہ پڑھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو فتنۂ دجال سے محفوظ رکھیں گے۔ ایک فتنۂ دجال وہ ہے جو فتنۂ اکبر ہے اور وہ فتنہ قیامت کے قریب ظاہر ہوگا، لیکن اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی فتنۂ دجال سے کم نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس دور میں دجالی فتنوں کا ایک سلسلہ ہے تو غلط نہ ہوگا، اللہ نے سورۂ کہف میں یہ برکت رکھی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو دجالِ اکبر سے محفوظ رکھیں گے۔ اس سورہ میں کئی واقعات بیان کیے گئے ہیں، ان میں سب سے اہم واقعہ اصحابِ کہف کا ہے، پھر دو باغ والوں کا قصہ ہے، پھر حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما

السلام کا تذکرہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان واقعات سے ہمیں بہت کچھ سبق ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اس مختصر موقع پر اس پوری سورۂ شریفہ کا خلاصہ عرض نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی آیت تلاوت کی جس کے اندر دو باغ والوں کا قصہ ہے۔ ایک شخص تھا جس کے دو باغ تھے، بہت حسین و جمیل، گویا جنت کا نمونہ، ان میں نہریں جاری تھیں اور وہاں ہر طرح کے پھل پھول تھے، جب وہ اپنے باغ میں داخل ہوا تو اس کے اندر بڑائی کا ایک احساس پیدا ہوا اور اس کی زبان سے یہ جملے نکلے:

﴿أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالاً وَأَعَزُّ نَفَراً﴾ (الکھف: ٣٤)

(میں مال میں بھی تم سے زیادہ ہوں اور جتھے میں بھی تم سے زیادہ مضبوط ہوں۔)

جب یہ جملہ اس کے منھ سے نکلا تو اس کے دوست نے اس پر فوراً نکیر کی اور یہ بات کہی کہ

﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾

(الکھف: ٣٩)

(اور کیوں نہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم یہ کہتے کہ جو اللہ نے چاہا (وہ ہوا) قوت سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔)

اس نے یہ تلقین کی کہ تمہیں یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی طاقت سے، اس کے فیصلے اور اس کے حکم کی بنا پر ہے، یہ ساری بہاریں جو تمہیں نظر آ رہی ہیں، یہ سب اللہ کے فیصلوں سے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں کئی واقعات بیان کیے گئے ہیں، ایک جگہ ہے کہ چند بھائی تھے اور ان کی بڑی شاندار کھیتی تھی، جب وہ کھیتی کاٹنے کے لیے جاتے تھے تو بہت سے غرباء و مسکین بھی آ جاتے تھے اور کچھ حصہ انہیں بھی مل جاتا تھا، ایک مرتبہ ایک

بھائی بولا کہ یہ ایک بڑا مسئلہ ہے کہ ان غرباء کو بھی تقسیم کرنا پڑتا ہے، کیوں نہ ہم چپکے سے جا کر رات ہی کو اپنی فصل کاٹ لائیں تا کہ مانگنے والے نہ آسکیں، مگر جب وہ وہاں پہنچے تو انہیں اپنی کھیتی کو پہچاننا مشکل ہوگیا، اللہ کی طرف سے عذاب کی کوئی ایسی شکل آئی کہ ان کی پوری فصل برباد ہوگئی، لگتا تھا کہ صرف ایک خشک زمین ہے، انہیں پہچاننا مشکل ہوگیا کہ کیا یہ وہی جگہ ہے؟ پھر اللہ نے ان کے دل میں بات ڈالی اور ان میں سے ایک بھائی نے کہا کہ ہم سے بڑی غلطی ہوئی، ہم اللہ کے بندوں کی مدد کرتے تھے تو اللہ ہماری مدد کرتا تھا، آج ہم نے دھوکہ دینے کا ارادہ کیا تو اللہ نے ہمارے ساتھ ایسا معاملہ فرمایا کہ ساری کھیتی ختم ہوگئی، ہمیں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے۔

اللہ دنیا میں جو نعمتیں عطا فرماتا ہے تو انسان بھول جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ ہماری کمائی ہے، ہماری محنت ہے اور ہماری عقل ہے، ہمیں جو صلاحیتیں دی گئی ہیں اور ہمارے اندر جو energy ہے' یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔ اس کو یہ یاد نہیں رہتا کہ یہ انرجی تو بہت سے لوگوں کو مل جاتی ہے اور ایسی صلاحیتیں تو بہت سے لوگوں کے پاس ہوتی ہیں، آپ دیکھتے ہیں اور آپ سب کو یہ تجربہ ہوگا کہ ایک آدمی مٹی پر ہاتھ رکھتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے اور ایک آدمی زندگی بھر خود کو کھپاتا ہے مگر اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے پاس کتنے لوگ آکر کہتے ہیں کہ دعا کر دیجیے، ہم نہ جانے کب سے کام کر رہے ہیں اور محنت مزدوری میں لگے ہیں مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، جب کہ بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا بن جائے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ یہ شروع سے چلا آرہا ہے، حقیقت میں یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو اپنی قدرت کے نمونے دکھاتا ہے۔

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جس ملک اور جس شہر میں ہیں، اللہ

نے آپ کو ساری نعمتیں عطا فرمائیں، گویا دنیا کے سارے خزانے آپ کے پاس ہیں، یہ زمین اپنے خزانے اگل رہی ہے اور یہاں سب کچھ موجود ہے، لیکن یہاں ﴿مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کی کمی ہے، یہاں ساری نعمتیں موجود ہیں لیکن بس اسی جذبہ کا فقدان ہے، یہاں اندر کا ایمان اور جذبہ نہیں ہے، اللہ جس کو یہ دولت دیتا ہے، اللہ جس کو اپنی پہچان دیتا ہے، اللہ جس کو اپنی قدرت کا یقین دیتا ہے، تو اس کے اوپر اللہ کا بہت بڑا کرم ہے، وہ آگے بڑھتا ہے، اللہ سے قریب ہوتا ہے اور وہ اپنے سامنے جتنی زیادہ نعمتیں پاتا ہے، اس کو اللہ کی قدرت پر ایسا یقین ہوتا کہ وہ اس کو قدرتِ الٰہی کی طرف محول کرتا ہے، وہ یہ نہیں کہتا کہ یہ میری کمائی ہے، یہ میرا مال ہے، یہ میرا کیا ہوا ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے۔

سورۂ کہف میں دو باغ والوں کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس قصہ میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے، خاص طور پر اس ملک کے لیے اور یہاں کے رہنے والوں کے لیے بڑا پیغام ہے، یہاں سب کچھ ہے، اس شخص کے باغ میں وہ جو اعلیٰ قسم کے پھل پھول اور نہریں تھیں، وہ ایک حصہ تھا، لیکن آپ کے پاس سب کچھ ہے، آپ کے پاس باغات بھی ہیں، آپ کے پاس ٹیکنالوجی بھی ہے، آپ کے پاس زندگی کی سہولیات بھی ہیں اور آپ کے پاس دوسروں کو دینے کے لیے بھی بہت کچھ ہے، لیکن یہ ایک مادّی نظام ہے جو اس دنیا کے ساتھ مربوط ہے۔

یاد رکھیں! اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دے کر ہمیں آزماتا ہے، اللہ کی طرف سے دو طرح کی آزمائشیں ہوتی ہیں؛ کبھی وہ فقر وفاقہ سے آزماتا ہے اور کبھی دولت دے کر آزماتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ معتصم کے زمانے میں جب مسئلہ خلق قرآن کا پیش آیا، تو وہ صاف کہتے تھے کہ میں قرآن کو مخلوق نہیں مان سکتا، معتصم اسی کا داعی تھا اور اس کا پرجوش حامی تھا، جو کوئی بھی اس کے خلاف بولتا تھا

تو اس کو سخت سزائیں دیتا تھا، حضرت امام احمد بن حنبل کو اس نے کوڑے لگوائے، کوڑے لگانے والا کہتا تھا کہ اگر ہاتھی کو کوڑا لگایا جاتا تو ہاتھی چنگھاڑ کر بھاگتا، لیکن امام صاحب اپنے ایمان ویقین کے ساتھ پوری طرح ایسے جمے ہوئے تھے کہ وہ ذرہ برابر ٹس سے مس نہیں ہوئے، وہ کہتے تھے کہ اس سلسلے میں میرے سامنے کتاب وسنت سے کوئی دلیل لاؤ تو میں مان لوں گا اور اگر دلیل نہیں تو میں اس کو مخلوق نہیں کہہ سکتا، یہ تو اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہوسکتا۔ پھر جب متوکل آیا تو وہ امام صاحب کا بہت گرویدہ تھا، اس نے معاملہ بالکل الٹ کیا، اس نے امام صاحب کو خوب نوازا، وہ ان کی خدمت میں بار بار تحائف بھیجتا اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتا تھا۔ گویا ایک وہ آزمائش تھی جب کوڑے لگائے گئے اور امام صاحب پوری استقامت کے ساتھ جمے رہے، پھر ایک دور وہ آیا جب طرح طرح کی نعمتوں کی بارشیں ہوئیں اور ہر طرح کی دولتیں ملیں۔ امام صاحب فرماتے تھے کہ یہ دوسری آزمائش پہلی آزمائش سے زیادہ سخت تھی کہ اس میں اکثر لوگ ناکام ہوجاتے ہیں۔

میں نے یہ واقعہ اس لیے ذکر کیا تاکہ اندازہ ہو کہ اللہ کس کس طرح آزماتا ہے؟!

میرے بھائیو اور دوستو!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ جو ساری نعمتیں عطا فرمائی ہیں، سچی بات یہ ہے کہ یہ بھی آزمائش ہے کہ ہم کیا رویہ اختیار کرتے ہیں؟ ہمارے اندر ﴿مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں کہ ہمیں جو کچھ ملا' یہ اللہ کے کرم اور اس کے حکم سے ملا ہے، ہمیں اس کے نتیجہ میں بار بار اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نعمتیں دی ہیں تو ہم ان کا صحیح استعمال کریں، ہم ان سے صحیح فائدہ اٹھائیں، ہم ان کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت، اس کے اتارے ہوئے دین وشریعت اور نظام زندگی کی حقیقت کو لوگوں تک پہنچائیں، تاکہ لوگ اللہ سے قریب

ہوں، اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانیں، اللہ نے اس سورہ میں جو یہ واقعہ بیان فرمایا' اس میں ہم سب کے لیے بڑا سبق ہے۔

اگر دیکھا جائے تو آج ہمارے اوپر اس کا پورا انطباق ہوتا ہے کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے، ہر طرح کی نعمتیں ہیں، ہر طرح کی سہولتیں ہیں اور یہ وہ سہولتیں ہیں جو صرف یہیں تک نہیں بلکہ آپ دنیا کے مختلف ملکوں میں بھی جائیے تو آپ کو وہاں بھی یہ ساری سہولتیں نظر آئیں گی، اکثر و بیشتر وہ چیزیں یہاں سے جا رہی ہیں، یہیں ان کو ایجاد کیا گیا، یہیں ان کے تجربے کیے گئے، پھر دنیا میں ان کو تقسیم کیا جا رہا ہے، ان کو فروخت کیا جا رہا ہے اور ان سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، یہاں والے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہاں والے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن یہ ساری دنیا کی نعمتیں بجائے اس کے کہ ہمارے اندر اللہ اور اس کے رسول کی محبت و معرفت کا ذوق پیدا کرتیں، ہمارے اندر ایک عجیب و غریب مادی مزاج پیدا ہو رہا ہے، ہم بجائے اس کے کہ اللہ کی نعمتوں سے قریب ہوتے اور ان کا شکر ادا کرتے، ہمارا حال بالکل وہی ہے جو اس شخص نے کہا کہ

﴿أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالاً وَأَعَزُّ نَفَراً﴾ (الکھف: ٣٤)

(میں مال میں بھی تم سے زیادہ ہوں اور جتھے میں بھی تم سے زیادہ مضبوط ہوں۔)

اس نے یہ بات کہی کہ میرے پاس سب سے زیادہ مال و دولت اور افراد کی قوت ہے، مجھے اللہ کو یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو ہمیشہ اسی دولت کے ساتھ رہوں گے، یہ مال میرے ساتھ ہی رہے گا، مگر وہ یہ بھول گیا کہ اللہ کا ایک فیصلہ کافی ہے۔ قارون نے اپنی جنت بنائی، وہ اس دور میں اس کو اپنی جنت کہتا تھا، آج کے اس ترقی یافتہ دور میں آپ تصور کریں کہ کیا کیا سہولتیں ہیں؟! اب تو ٹکنالوجی یہاں تک پہنچ گئی کہ آدمی ارادہ کرتا ہے اور گاڑی چل جاتی ہے، آدمی ارادہ کرتا ہے کہ اس کے سامنے ساری نعمتوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے، یہ ساری نعمتیں جو اللہ ہم کو دے رہا ہے، اس

کے مقابلے میں آپ قارون کی جنت کا اندازہ کیجیے، دنیا کتنی مرتبہ ترقی کرکے نیچے گری ہے، اس دور میں دنیا نے کیا ترقیاں کی ہوں گی اور اس نے کیا جنت بنائی ہوگی، وہ اپنی اس جنت میں داخل ہوا تو اس نے خدا کو بھلا دیا، جب اس وقت کے دیکھنے والوں نے اس کو دیکھا تو ان کے اندر ایک طرح کی حسرت پیدا ہوئی کہ اس کو کیسی دولت ملی ہے، یہاں تک کہ ان کی زبان پر یہ الفاظ آگئے کہ کاش! ہمیں بھی ایسی ہی دولتیں اور نعمتیں مل جائیں جو قارون کو عطا ہوئی ہیں، لوگوں کو جو دولتیں اور آسائشیں نظر آتی تھیں تو ان کے منھ میں پانی آتا تھا، قرآن میں ہے:

﴿يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (القصص: ۷۹)

(کاش کہ ہمیں بھی وہ حاصل ہوتا جو قارون کو حاصل ہے یقیناً وہ تو بڑا نصیبے والا ہے۔)

لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ اپنی جنت میں داخل ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جنت سمیت زمین میں دھنسا دیا، ارشاد ہے:

﴿فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ﴾ (القصص: ۸۱)

(پھر ہم نے اس کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا تو اس کے لیے کوئی گروہ ایسا نہ ہوا جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا۔)

فیصلے اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں مگر یہ فیصلے فوراً نہیں ہوتے بلکہ کبھی زمانے گذر جاتے ہیں اور پچاس پچاس سو سو سال کے بعد فیصلے ہوتے ہیں۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھئے، عاد وثمود کی بستیوں پر نظر دوڑائیے، اللہ نے ان کو کیسی طاقت دی تھی، وہ بڑے بڑے پہاڑ تراش لیتے تھے، اعلیٰ سے اعلیٰ مکانات بناتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم

سب سے زیادہ طاقتور ہیں، ہمارا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟ وہ تکبر میں یہ بات کہتے تھے کہ
﴿مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾(فصلت: ۱۵)(ہم سے بڑھ کر طاقتور کون ہے؟)

ان کو اسی حالت پر ایک طویل مدت گذر گئی اور سینکڑوں سال اسی طرح گذرتے گئے لیکن جب اللہ کا فیصلہ ہوا تو قرآن مجید میں مختلف عذابوں کا تذکرہ ہے کہ کس طرح ان کو نیست و نابود کردیا گیا۔قوم عاد کے تذکرے میں ہے کہ ان کے اوپر اللہ نے آندھی طوفان اور سخت ہوا کا عذاب نازل کیا، ارشاد ہے:

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحاً صَرْصَراً فِيْ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَى وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ﴾

(فصلت: ١٦)

(بس ہم نے ان پر نحوست بھرے دنوں میں زناٹے دار ہوا بھیج دی تا کہ ہم ان کو دنیا کی زندگی میں بھی رسوا کن عذاب کا مزہ چکھادیں اور یقیناً آخرت کا عذاب اور زیادہ ذلت آمیز ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہ ہوگی۔)

اسی طرح قوم ثمود کے تذکرے میں آتا ہے کہ ایک چنگھاڑ نے ان کا کام تمام کر دیا، ارشاد ہے:

﴿وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُواْ الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُواْ فِيْ دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ﴾

(هود: ٦٧)

(اور ظالموں کو چنگھاڑ نے دبوچ لیا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منھ پڑے رہ گئے۔)

یہ ایک ایسی چنگھاڑ تھی جس سے لوگوں کے کلیجے شق ہوگئے، معلوم ہوتا تھا کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں اور ان سب کی جانیں نکل چکی تھیں، ارشاد ہے:

﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾

(الحاقة:۷)

(تو آپ لوگوں کو وہاں پچھاڑیں کھائے ہوئے پڑا دیکھیں گے جیسے وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔)

میرے دوستو اور بھائیو!

معلوم یہ ہوا کہ اللہ کا عذاب اس طرح بھی آتا ہے، ہمیں اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے، اللہ وہ دن نہ لائے جیسے اس شخص نے کہا:

﴿أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالاً وَأَعَزُّ نَفَراً﴾ (الكهف: ٣٤)

(میں مال میں بھی تم سے زیادہ ہوں اور جتھے میں بھی تم سے زیادہ مضبوط ہوں۔)

آج امریکہ کو یہ گھمنڈ ہے کہ ہم سب سے زیادہ عزت والے ہیں، ہمارے پاس سب سے زیادہ ٹیکنالوجی ہے، ہمارے پاس بڑے سے بڑے ہتھیار ہیں، ہم دنیا کو منٹوں میں فنا کر سکتے ہیں، ہمارے پاس ساری طاقتیں ہیں، لیکن اس کو یہ یاد نہیں ہے کہ سب سے بڑی طاقت اللہ کی ہے اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں تو جیسے مکڑی کے جالوں پر جھاڑو پھیر دی جاتی ہے، اسی طرح ملکوں اور قوموں کی صفائی کر دی جاتی ہے، دنیا میں کون طاقت والا ایسا ہے جو آیا ہو اور ہمیشہ رہا ہو، فرعون ہو، یا ہامان، نمرود ہو یا شداد، یا ان کے علاوہ بڑے بڑے کرّ وفر والے ہوں، سب کو دنیا سے فنا ہونا پڑا۔ فرعون کو خود پر بہت ناز تھا، وہ اپنے آپ کو کہتا تھا کہ

﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى﴾ (النازعات: ٢٤)

(میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔)

لیکن جب اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کا فضل ہوا، انہوں نے سمندر میں لاٹھی ماری، سمندر پھٹ گیا اور درمیان سے بارہ راستے بن گئے جس میں ان کی قوم بہ آسانی گذرنے لگی، یہ دیکھ کر فرعون بولا کہ یہ راستے میرے لیے بن گئے، وہ بھی ان راستوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

قوم کے پیچھے پیچھے داخل ہوتا گیا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ساتھ سمندر پار کرلیا اور فرعون بیچ سمندر میں پہنچا، تب اللہ کا حکم ہوا اور سمندر کا پانی دونوں طرف سے مل گیا جس سے فرعون غرق ہونے لگا، پھر وہ بول اٹھا کہ

﴿آمَنتُ أَنَّهُ لا إِلٰـهَ إِلَّا الَّذِیٓ آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَاْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾

(یونس: ۹۰)

(میں نے مان لیا کہ اس معبود کے سوا کوئی معبود نہیں جس کو بنی اسرائیل نے مانا ہے اور میں مسلمان ہوں۔)

لیکن اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ

﴿آلآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾(یونس: ۹۱)

(اب کیا ہوتا ہے جب کہ تو پہلے نافرمان رہا اور تو فسادیوں میں سے تھا۔)

فرمایا کہ اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا، اب یہ ایمان قابل قبول نہیں۔

اللہ کے یہاں ایمان بالغیب معتبر ہے، آدمی نے دیکھ کر مانا تو اس نے کیا مانا؟ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔

آپ ﷺ نے جنت ودوزخ کا ذکر کیا، غیب کی بہت سی باتوں کا ذکر کیا اور یہ بتایا کہ ان چیزوں کو ہمیں ماننا ہے، ہماری نگاہیں غلطی کر سکتی ہیں، ہماری سوچ غلطی کر سکتی ہے، ہمارا احساس غلطی کر سکتا ہے، لیکن فرمان نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ میں اس کی ایک مثال بھی عرض کرتا ہوں، میں یوپی کے ایک شہر رائے بریلی کا رہنے والا ہوں، وہاں سے پرتاب گڑھ کے لیے ایک سڑک جاتی ہے، وہاں جب میں پہلی مرتبہ جا رہا تھا تو راستے میں ایک پل پڑا، اس کے دائیں طرف لوگوں نے بتایا کہ ایک کھمبا ہے، ہمیں بھی وہ دور سے کھمبا نظر آیا، لوگوں نے پوچھا کہ کیا یہ سیدھا ہے یا ٹیڑھا؟ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا تو وہ بالکل

ٹیڑھا معلوم ہوا اور محسوس ہوتا تھا کہ میری ہی جانب جھکا ہوا ہے، پھر جب ہماری گاڑی آگے بڑھی اور بالکل کھمبے کے سامنے پہنچی تو دیکھا کہ وہ سیدھا کھڑا ہوا ہے، پھر جب گاڑی اور آگے پہنچی تب پیچھے مڑ کر دیکھا تو نظر آیا کہ اب کھمبا ہماری طرف جھکا ہوا ہے، ہمیں حیرت ہوئی کہ پہلی مرتبہ جب پیچھے دیکھا تو ادھر جھکا تھا، سامنے سے دیکھا تو سیدھا کھڑا تھا اور اب آگے بڑھ کر دیکھا تو ادھر جھکا ہوا نظر آتا ہے، معلوم ہوا وہ کھمبا ایسی جگہ پر ہے کہ جو جہاں سے دیکھتا ہے اس کو ویسا ہی نظر آتا ہے۔

اس سے بڑی حقیقت سمجھ میں آتی ہے، زاویۂ نگاہ کے فرق کی بنیاد پر بعض مرتبہ آدمی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتا، وہ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ سمجھتا ہے، اسی لیے یہ بات کہی گئی کہ اپنی عقل پر بھروسہ مت کرو بلکہ وحی الٰہی پر بھروسہ کرو، اللہ اور اس کے نبی نے جو کچھ کہا' اس کی حقیقت ہے اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں، اس کے علاوہ ہم جو کچھ بھی کریں، ہماری ساری ایجادات، ہماری عقل کی تمام کوششیں، یہ سب اپنی جگہ بہت مبارک مگر یاد رکھیں کہ جب تک اس میں ''ماشاء اللہ'' یعنی اللہ کا نام شامل نہ ہو، اس وقت تک ان چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے، معلوم نہیں کہ کب اللہ کا کیا فیصلہ ہو جائے۔

میں آپ سے صرف یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو یہ ساری نعمتیں عطا فرمائیں، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہمارے اندر ﴿مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ کی ایک ایسی طاقت پیدا ہو جائے اور ہمارے اندر اس کی ایک ایسی چنگاری آجائے جس کے نتیجہ میں ہم حقیقت سمجھ لیں کہ سب کچھ اپنی جگہ، یہ ساری آسائشیں، یہ ساری سہولتیں، یہ ساری مادی ترقیات اور بڑی سے بڑی ٹیکنالوجی جو آپ کے پاس ہے یہ سب مبارک ہے، لیکن اگر اللہ کے نام کے ساتھ نہیں تو یہ کب تک ہے اور کب کیا ہوگا؟ اس کی کوئی ضمانت نہیں۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ایمان دیا، اپنی معرفت

دی، نبی کی پہچان دی اور نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ سے زندگی کا ایک راستہ دیا، یہ دنیا آپ کی منتظر ہے، آج دنیا اپنی ان تمام ایجادات وترقیات کے ساتھ زندگی کی حقیقت سے ناواقف ہے، آج جس طرح سے دنیا میں ﴿يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ (وہ زمین میں مارے مارے پھرتے ہیں) کا ایک سماں نظر آتا ہے، لوگ بھٹک رہے ہیں اور انہیں کوئی راستہ بتانے والا نہیں ہے، ان حالات میں آپ وہ ہیں جن کو اللہ نے ایمان دیا، آپ کے پاس اللہ کی پہچان ہے، آپ لوگوں تک وہ حقیقت پہنچایئے، آپ لوگوں کے اندر ﴿مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ کا یقین پیدا کیجیے۔ یہ ساری نعمتیں ایک طرف لیکن اللہ کی محبت اور اس کی پہچان ایک طرف۔

خدانخواستہ اگر یہاں رہ کر ہماری نگاہیں بھی خیرہ اور مبہوت ہوگئیں اور ہمیں ذرا بھی یہ خیال نہ رہا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہمارے دائیں بائیں کیا ہے؟ ہم یہ بھول گئے کہ اللہ نے ہمارے دل میں کیا رکھا تھا؟ ہمارے پاس اللہ کی ذات پر جو ایمان تھا اور اس کے نتیجے میں ہمارے پاس جو روشنی تھی' اگر ہم خود اس سے محروم ہوگئے تو ہم دوسروں کو کیا دیں گے؟ اس لیے آپ یہاں بالکل مبہوت وحیران نہ ہوں، آپ متاثر نہ ہوں، اللہ نے آپ کو دینے کے لیے پیدا کیا ہے، لینے کے لیے پیدا نہیں کیا، آپ یہاں کمانے آئے ہیں، یہاں ایک بڑی تعداد ہے جو عرصے سے مقیم ہے، اب ان کی اگلی نسلیں سامنے آرہی ہیں، ان کو یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیے کہ ہم یہاں اپنے ایمان کے ساتھ آئے ہیں، ہم صرف کمانے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہمیں اپنا تشخص باقی رکھ کر دوسروں تک یہ حقیقت پہنچانی ہے، یہ ایمان لوگوں کو دینا ہے، اپنے اخلاق سے، اپنی انسانیت سے، اپنے کردار سے، اپنی محبت سے کہ لوگ ہمیں دیکھیں تو ان کے سامنے اسلام کی ایک تصویر آئے، یہ اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

میں کوئی لمبی بات نہیں کہنا چاہتا، اس سورۂ شریفہ میں دو باغ والوں کا جو قصہ

بیان کیا گیا، اس کی روشنی میں یہ بات کہتا ہوں: جب اس نے کہا کہ سب سے بڑا میں ہوں، بس یہی جو انسان کے اندر کا ''میں'' ہے، یہ انسان کو تباہی کے راستے کی طرف لے جاتا ہے، اس کے مقابلہ میں دوسرے شخص نے یہ بات کہی کہ

﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾

(الکھف: ۳۹)

(اور کیوں نہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم یہ کہتے کہ جو اللہ نے چاہا (وہ ہوا) قوت سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔)

اس نے یہ پیغام دیا کہ تجھے یہ سب کچھ اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے تھا، سب کچھ اللہ کا ہے، طاقت اللہ کی ہے اور اسی کے دینے سے سب کچھ ہوتا ہے، اگر تم یہ سمجھتے تو یہ سب باقی رہتا، لیکن اس کی سمجھ میں بات نہیں آئی تو اللہ نے ملیا میٹ کر دیا اور سب کچھ ختم ہو گیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اللہ کا نام لیں، اللہ کے دین سے تعلق پیدا کریں، اس دین کے نتیجے میں ہمیں جو اخلاق ملے ہیں، جو کردار ملا ہے، جو زندگی ملی ہے جو ہمارے لیے سب سے بڑی دولت ہے، اگر ساری دنیا ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ بنے اور فنا کے گھاٹ اتر جائے لیکن اس کے مقابلہ میں ایمان کی ایک چنگاری بہتر ہے، اس لیے اللہ کی ان نعمتوں کی قدر کریں اور دوسروں تک اس پیغام کو پہنچانے کی کوشش کریں۔ یہ اس وقت کی ہماری سب سے بڑی ذمہ داری اور سب سے بڑا کام ہے، اگر ہم اس کے لیے کوششیں کریں گے تو اللہ کی مدد ہوگی اور آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کیا مقام دیتا ہے۔

میرا یہاں پورا ہفتہ گذرا، میں یہاں کے مختلف شہروں میں گیا، میں نے ہر جگہ یہ بات کہی کہ اگر آپ کھڑے ہو جائیں تو کیا بعید ہے کہ اللہ دنیا کے لیے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے، لیکن یہ آپ کے لیے ہمت وحوصلہ کی چیز ہے، آپ یہ طے کر لیجیے کہ انشاء اللہ

ہمیں ایک نمونہ پیش کرنا ہے، کیا بعید ہے کہ آپ کے ذریعہ سے ایک نئی فضا پیدا ہو، ایک نیا ایمان پیدا ہو، پھر یہ ملک جو دنیا کی سب سے بڑی طاقت سمجھا جاتا ہے، ساری دنیا میں اس کے ذریعہ سے ابھی ٹیکنالوجی اور زندگی کی دوسری سہولیات تقسیم ہوتی ہیں، کیا بعید ہے کہ یہاں سے ایمان وہدایت کے فیصلے ہوں اور یہاں سے دنیا میں ایمان تقسیم ہو، اللہ کا دیا ہوا نظام تقسیم ہو، شریعت کے احکامات تقسیم ہوں، وہ اخلاقی زندگی تقسیم ہو جس کی سب سے بڑھ کر آج دنیائے انسانیت کو ضرورت ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت یہ ذمہ داری آپ حضرات پر سب سے بڑھ کر ہے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے لیے قبول کرے۔

اس موقع پر جو باتیں کہی گئیں، کہنے والے اور سننے والوں کو اللہ تعالیٰ ان پر عمل کی توفیق دے، ہمارے اندر ایک جذبہ پیدا فرمائے اور ہم آج سے یہ طے کریں کہ انشاء اللہ امریکہ میں ہم ایک نئی زندگی لے کر کھڑے ہوں گے، ہم ہر طرح کے اختلافات کو بھلا دیں گے، ہمیں معمولی معمولی چیزوں میں الجھنا نہیں ہے، یاد رکھئے! ہمیں بعض اوقات الجھایا جاتا ہے، ہمیں ان کے اندر الجھنا نہیں ہے، ایک اللہ پر پوری طرح یقین رکھتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کا اتباع کرتے ہوئے ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعہ سے عالم میں ہدایت کے فیصلے فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، ہم سب یہاں سے ایک عزم لے کر جائیں، ایک فیصلہ کر کے جائیں اور اللہ ہمیں یہاں سے ایک نئی زندگی عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

خطابِ عام بعد نمازِ عشاء
یونٹی اسلامک سنٹر، شکاگو
۱۴؍فروری ۲۰۲۵ء

بقائے انفع کا بے لاگ قانون

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین وبعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾ وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ”خالق الناس بخلق حسن“ أو کما قال علیہ الصلاۃ والسلام.

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

مجھے یہاں آئے ہوئے مکمل ایک ہفتہ ہوگیا، یہاں مختلف جگہوں پر میرا جانا ہوا اور مختلف لوگوں سے میری ملاقاتیں بھی ہوئیں، اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کے متعلق جتنا مجھے معلوم تھا، اس سے زیادہ بہتر پایا اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ سلسلہ آگے بڑھے گا۔ یہاں آ کر پہلی ہی شب میں ہماری ملاقات کچھ ایسے نوجوانوں سے ہوئی جو پیام انسانیت کے کاموں میں عملی طور پر مشغول ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے، اس کا ایک حصہ وہ ہے جو

ہماری داخلی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، یا اگر اجتماعی زندگی سے بھی تعلق رکھتا ہے تو مدرسوں میں، مسجدوں میں اور دینی مراکز میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں، لیکن عام لوگوں کے سامنے وہ چیزیں نہیں آتیں، ہماری زندگی کا ایک حصہ وہ ہے اور بہت اہم حصہ ہے، جہاں ہمیں عام انسانوں سے سابقہ پڑتا ہے، اگر میں یہ عرض کروں کہ چوبیس گھنٹوں میں ہمارا بڑا وقت ایسی جگہوں پر صرف ہوتا ہے جہاں ہمیں ہر ایک سے سابقہ پڑتا ہے، وہاں ہمیں کیسی زندگی گذارنی ہے؟......

اس سلسلہ میں پہلی بات وہی ہے جو میں نے یہاں کئی جگہ عرض کی کہ ہم آزاد نہیں ہیں، ہمیں ہر جگہ پابند کیا گیا ہے، ہمیں کیسی زندگی گذارنی ہے؟ کیسے اخلاق اختیار کرنے ہیں؟ دوسروں کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے؟ یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی کیا برتاؤ کرنا ہے؟ یہ آپ جانتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جو تعلیمات دی ہیں، ان میں آپ نے وہ ساری ہدایات دی ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو آج جو حالات کا بگاڑ ہے شاید وہ باقی نہ رہے۔ آپ ﷺ نے یہاں تک ہدایات دی ہیں کہ جنگ کے موقع پر کسی عورت کے اوپر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، کسی عبادت گذار کو نہ مارا جائے، بچوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ معلوم یہ ہوا کہ ہمیں ہر موقع پر یہ دیکھنا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط؟ جذبات کی رو میں بہہ جانا اور پھر وہ سب کچھ کرنا جو بعض مرتبہ ہمیں ایسی جگہ پہنچا دیتا ہے کہ پھر ہمیں پلٹنا مشکل ہو جاتا ہے، یہ ہمارے لیے بڑے خطرے کی چیز ہے۔

میں نے آپ کے سامنے قرآن مجید کی دو آیتیں پڑھی ہیں، پہلی جو آیت پڑھی اس میں ہماری ایک بڑی ذمہ داری بتائی گئی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ١١٠)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے۔)

یہ نہیں کہا گیا کہ مسلمانوں کے لیے برپا کیا گیا ہے بلکہ بتایا کہ تمام لوگوں کے

لیے برپا کیا گیا، دنیائے انسانیت کے لیے اللہ نے ہمیں بھیجا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہمارے ذہن ودماغ میں یہ تصور بٹھا دیا گیا یا یہ بیٹھ گیا کہ ہمیں کسی سے کیا مطلب؟! یہ وہ تصور ہے جس نے ہمیں بہت دور پہنچا دیا، ہم نے اپنے ملک میں یہ دیکھا ہے، لوگوں نے یہ بات کہی کہ مسلمانوں کو ہم سے یا اس ملک سے کیا مطلب؟ وہ تو بس مسجد مدرسہ جائیں۔ یہ تصور خالص غیر اسلامی تصور ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا تو ہر چیز کی ہمارے اوپر ذمہ داری ڈالی ہے، ہم جس ملک میں ہیں' وہ ہمارا ملک ہے، ہمیں اس ملک کی فکر کرنی ہے اور ہمیں وہ طریقہ زندگی اختیار کرنا ہے جو وہاں کی ضرورت ہے۔ یہ تصور کہ ہمارا کام صرف مسلمانوں کی حد تک ہے' نہایت غلط تصور ہے، اللہ نے ہمیں تمام انسانیت کے لیے پیدا کیا۔

دوسری آیت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی حقیقت ارشاد فرمائی:

﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاء وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ﴾

(الرعد: ۱۷)

(بس جھاگ تو بے کار جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔)

جھاگ آپ جانتے ہیں کہ جب پانی گرتا ہے تو اس کے اندر سے بلبلے اٹھتے ہیں، اس دنیا میں اور ترقی کے اس دور میں بھی جھاگ کی کوئی قیمت نہیں ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا معجز کلام ہے اور یہ اس کا اعجاز ہے۔ اگر کسی بھی چیز کی مثال دی جاتی، گوبر یا غلاظت کی مثال دی جاتی تو آج کے زمانے میں ان چیزوں سے بھی فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے جھاگ کی مثال دی ہے جو بے کار چلا جاتا ہے اور وہ کسی مصرف کا نہیں ہوتا، پھر فرمایا:

﴿وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِي الۡأَرۡضِ﴾ (الرعد: ۱۷)

(اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات کسی انسان کے بارے میں نہیں فرمائی بلکہ وہ چیزیں جو ہمارے استعمال کی ہیں مثلاً: پتھر، زمین یا اور چیزیں، یہ بات انسانی نفسیات میں داخل ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ مفید ہوتی ہے، اس کی اتنی ہی نگہداشت اور حفاظت کی جاتی ہے، آپ یہاں سے یہ بات اپنے ذہن ودماغ میں تازہ کر سکتے ہیں کہ جب عام جمادات ومخلوقات کے بارے میں یہ بات کہی جارہی ہے تو اگر انسان کے اندر یہ نافعیت پیدا ہو جو اشرف المخلوقات ہے اور انسانوں میں بھی ایمان والوں کے اندر نافعیت پیدا ہو جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند ہیں، تو کیا اللہ ان کی حفاظت کا فیصلہ نہیں فرمائیں گے؟ ہمارے لیے اخلاقی زندگی ایک حصار کا درجہ رکھتی ہے، اگر ہم اپنی زندگی کو بہتر بنائیں، خدمت کے کچھ کام کریں اور اپنے اخلاق کو بہتر بنائیں تو یقیناً اس کا فائدہ ہوگا۔

آج مسلمانوں کا حال آپ دیکھئے، دنیا کے مختلف ملکوں میں دیکھئے اور خاص طور پر میں خود اپنے ملک میں دیکھتا ہوں کہ اخلاق کی سطح انتہائی نیچے گر گئی ہے، بات بات پر لڑائیاں اور جھگڑے، ذرا سی بات بھی گوارا نہیں، اگر کسی نے کچھ کہہ دیا، یا گالی دے دی تو گولی مارنے کو تیار ہیں اور یہ مسلمانوں کا ایک عام مزاج بن گیا ہے یعنی جذباتی مزاج، جھگڑالو مزاج، یہ ایسی چیز ہے جس نے اسلام کی تصویر بگاڑ کر رکھ دی۔

میرے بھائیو!

اخلاق نبویؐ جن کا سلسلہ چلا اور قیامت تک چلے گا' وہ اخلاق ہیں کہ جس نے اسلام کی تصویر ایسی حسین بنا کر پیش کی ہے جس نے ملکوں میں انقلاب برپا کیا، معاملات کی صفائی، اخلاق کی بلندی غیر معمولی چیزیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ملیشیا اور انڈونیشیا جیسے جو ممالک ہیں' یہاں کوئی فوج نہیں آئی اور نہ ہی کوئی جنگ ہوئی، ان

ممالک میں ہی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پوری دنیا میں اسلام تلوار سے نہیں پھیلا، اسلام مسلمانوں کے اخلاق سے پھیلا ہے۔

میں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کئی جگہ بیان کیا، جب وہ ہندوستان تشریف لا رہے تھے تو شہاب الدین غوری واپس جا رہا تھا، اس نے کہا کہ حضرت! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ فرمایا کہ ہندوستان، اس نے کہا کہ حضرت! وہاں کی زمین بڑی سنگلاخ ہے، میں کئی مرتبہ گیا مگر مجھے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اس پر حضرت نے جو جملہ فرمایا وہ غور کرنے کی چیز ہے کہ تم جسموں کو فتح کرنے گئے تھے اور میں دلوں کو فتح کرنے جا رہا ہوں، پھر دنیا نے دیکھا، جب وہ یہاں آ کر آباد ہوئے تو لگتا تھا کہ ایمان کی ایک بہار آ گئی، کسی شاعر نے یہ بات کہی ہے

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

محبت کو فاتح عالم کہا گیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو اثر انداز ہوتی ہیں۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انڈونیشیا اور ملیشیا کے ممالک میں جو اسلام پھیلا، اس کا قصہ یہ ہے کہ یہاں مسلمان تاجر آتے تھے، ایک مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ایک انقلاب برپا ہو گیا، واقعہ یہ تھا کہ وہاں کپڑے کا ایک بڑا تاجر آیا، جس سے اس وقت کے بادشاہ نے کپڑے کے تھان خریدے، جب وہ معاملہ کر کے قیمت لے کر چلا گیا، تو اس کو خیال ہوا کہ ان کپڑوں میں ایک تھان خراب بھی تھا اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اس لیے وہ دوبارہ سفر کر کے واپس آیا اور اس نے آ کر یہ کہا کہ جہاں پناہ! میں نے آپ سے جو سودا کیا، اس میں سے ایک تھان ذرا خراب تھا، آپ مجھے یا تو وہ تھان واپس کر دیجیے، یا کچھ پیسے واپس لے لیجیے، یہ سن کر اس نے بہت تعجب سے دیکھا اور سوچا کہ کیا دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے؟ اس نے یہ پوچھا کہ ایسا تو کوئی نہیں کرتا، تم جا چکے تھے، معاملہ ہو چکا تھا تو تمہیں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس

نے جواب دیا کہ ہمارا دین اس کی اجازت ہمیں نہیں دیتا، ہمیں اپنے معاملات کو صاف رکھنا ضروری ہے۔ اس نے پوچھا: آپ کا دین کون سا ہے؟ جب ان کو یہ سنہرا موقع ملا تو انہوں نے دین کی ایسی ترجمانی کی کہ بس اللہ نے اس کے دل میں دین اتار دیا، وہ بادشاہ مسلمان ہو گیا اور پوری قوم مسلمان ہو گئی۔

اس طرح کے عجیب وغریب واقعات تاریخ میں موجود ہیں، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے، جب وہ اپنے شیخ خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے یہاں سے جانے لگے تو رخصت ہوتے وقت ان کے شیخ نے کہا کہ میاں! تمہاری تربیت ہو گئی، بہت مبارک ہو لیکن یاد رکھو! اگر تمہارے ذمہ کسی کا ایک پیسہ بھی ہے تو تم نے یہاں جو کچھ سیکھا، اس کا کوئی حاصل نہیں، انہیں یاد آیا کہ کئی سال پہلے انہوں نے کسی بزاز سے ایک کپڑا خریدا تھا جس کے کچھ پیسے باقی رہ گئے تھے، وہ اس بزاز کی تلاش میں نکلے اور بڑی جاں فشانی کے بعد تلاش کر کے پہنچے، وہاں جا کر انہوں نے وہ چند بقیہ پیسے بزاز کو دیئے، اس زمانہ میں زیادہ تر کپڑا فروش ہندو ہوا کرتے تھے، اس نے دیکھا کہ ایک شریف نوجوان پیسہ دینے آیا ہے، اس نے سر اٹھا کر انہیں حیرت سے دیکھا اور بولا: لگتا ہے کہ آپ مسلمانوں کی بستی سے آرہے ہیں۔ آپ تصور کیجیے کہ اس وقت لوگوں کے کیا خیالات تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں! ہم مسلمانوں کی بستی سے آرہے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہم خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے پاس سے آرہے ہیں، ہم ان کی تربیت میں رہ کر آئے ہیں۔

ایک دور میں یہ تصور پایا جاتا تھا، لیکن آج یہ تصور بالکل ختم ہو چکا ہے، اس میں کچھ حصہ ہمارے طرز عمل کا ہے اور ایک بڑا حصہ میڈیا کا بھی ہے، میں ہندوستان میں کہتا ہوں کہ بات کا بتنگڑ یا رائی کا پربت بنایا جاتا ہے، لیکن میں ایک بات عرض کرتا ہوں کہ یہ رائی یا یہ بات کہاں سے آتی ہے؟ بتنگڑ کوئی بنائے مگر موقع تو ہم ہی دیتے ہیں۔

میرے بھائیو اور دوستو!

اس وقت سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے وہ نمونہ پیش کریں جس کی آج پوری دنیا محتاج ہے، اندر کا وہ سکون، وہ اخلاق ومحبت، وہ انسانیت، وہ ایثار، دوسروں کی وہ خدمت، جو لگتا ہے کہ اس خود غرضی کے ماحول میں ایک انمول چیز ہے، آج وہ چیز نظر نہیں آتی، چھوٹے پیمانے پر یا بڑے پیمانہ پر، آپ یہاں امریکہ یا یورپین ممالک میں دیکھئے تو Thank you اور I am sorry کہتے کہتے زبانیں نہیں تھکتی ہیں لیکن اگر آپ ذرا اندر گھس کر جائیے اور دیکھئے تو ان کا حال یہ ہے کہ وہ ملکوں اور قوموں کو ہڑپ کر جائیں۔ یہ صورت حال ہے ان کے اخلاق کی، اس بداخلاقی کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو اندر سے ایک بے چینی ہے، اگر ان کی بے سکونی اور بے چینی کے علاج کا کوئی راستہ تھا تو وہ صرف اسلام کے پاس تھا، اگر ہم یہ طے کرلیں کہ انشاء اللہ ہم اسلام کی صحیح تصویر ان کے سامنے پیش کریں گے، تو یہ ایسی چیز ہے جس سے بڑے بڑے انقلابات آسکتے ہیں۔

ہم نے ہندوستان میں اس کا تجربہ کیا ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے پیام انسانیت کا کام باقاعدہ ۱۹۷۴ء سے شروع کیا، الحمد للہ اس وقت ہم لوگوں نے اس کی مختلف شکلیں اختیار کی ہیں اور اس کے تحت تقریباً بیس پچیس کام ہم لوگ کرتے ہیں، لیکن میں ایک بات کہتا ہوں کہ تنہا خدمت کافی نہیں ہے، اگر آپ نے اس کے ساتھ ذہن سازی (brain washing) نہیں کی تو کام نہیں ہوگا، میں نے وہاں دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کو کھانا کھلایا جارہا ہے، یا پانی پلایا جارہا ہے، کئی کئی سال سے چار پانچ سو لوگوں کو مسلسل کھانا کھلایا جارہا ہے، لیکن اس کا جو اثر پڑنا چاہیے، وہ نہیں پڑ رہا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ ذہن سازی کیجیے، آپ ایسا لٹریچر بھی تیار کریں اور ان تک پہنچائیں جس سے ان کو اسلام کی حقیقت سمجھ میں آئے، اسلام کا

اخلاقی نظام ان کی سمجھ میں آئے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اس موضوع پر بہترین تقریریں کرتے تھے، ان کی وہ تقاریر شائع بھی ہوئی ہیں، ان کا ایک مجموعہ ''تعمیر انسانیت'' اور دوسرا ''انسانیت کی مسیحائی'' کے نام سے ہے، ان تقریروں میں مولانا کا انداز انتہائی اپیل کرنے والا ہوتا تھا۔ مولانا یہ بات کہتے تھے کہ مذہب کو نہ چھیڑو بلکہ خالص انسانی بنیادوں پر بات کرو، یہ طریقہ بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر آپ کوئی مذہبی بات شروع کریں گے تو عام طور پر اس طرح کے جلسوں (Dialogue) میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا بھی اپنے مذہب کی بات کرنے لگتا ہے، آپ اپنی بات صحیح کہیں گے اور وہ اپنی بات کو صحیح بولے گا، پھر بات وحدتِ ادیان تک پہنچ جاتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ چیز ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے، دین تو بس ایک ہی صحیح ہے اور باقی سب باطل ہیں، اس لیے ایسا کوئی راستہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے جس سے ہم کسی غلط چیز کی طرف پہنچ جائیں۔

ہندوستان میں ہم لوگ جو کام وہاں کرتے ہیں تو اس میں بہت احتیاط برتتے ہیں اور کوئی مذہبی کام نہیں کرتے، یہاں تک کہ ''عید ملن'' کے پروگرام بھی نہیں کرتے، اگر ہم عید ملن کا پروگرام کریں گے تو وہ ہولی ملن کا پروگرام کریں گے، اس میں ہمارے لیے شریک ہونا درست نہیں، اس لیے ہم نے ان لوگوں سے صاف صاف یہ بات کہی کہ ہمارا اور آپ کا رشتہ مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ انسانی بنیاد پر ہے، اگر آپ انسانیت کو پیش نظر رکھیں گے تو ایک اشتراک اور جوڑ پیدا ہوگا، لیکن اگر آپ مذہب کو لائیں گے تو جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے، آپ کا مذہب الگ ہے اور ہمارا مذہب الگ ہے۔ مکہ مکرمہ کے دور میں سورۂ الکافرون نازل ہوئی:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔)

جب انسانی بنیادوں پر ہمدردیاں ہوگی، جب وہ ہم کو دیکھیں گے اور ہمارے

اخلاق دیکھیں گے تو یقیناً ان کے اندر ایک کشش پیدا ہوگی۔

ہمارے فاضل دوست امام موسیٰ صاحب-اللہ تعالیٰ ان کے کاموں میں برکت عطا فرمائے-نے ایک قصہ سنایا کہ یہاں لوگ آسانی سے اپنا چرچ بیچ دیتے ہیں، وہ اس کو سنبھال نہیں پاتے، گویا مذہب سے ان کی دوری بڑھتی جا رہی ہے، اس سلسلہ میں عیسائی مذہبی رہنما ایک جگہ جمع ہوئے، اس پروگرام میں انہوں نے دو مسلمان نمائندوں کو بھی شریک کیا، اس میں انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ اس وقت ہمارے یہاں ایک بڑا مسئلہ پیدا ہو رہا ہے کہ لوگ تیزی کے ساتھ مذہب بے زار ہو رہے ہیں، پھر انہوں نے مسلمانوں سے سوال کیا کہ آپ کے یہاں کیا حال ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اللہ کا شکر ہے، ہمارے یہاں یہ بات نظر نہیں آتی، جو مسلمان ہیں وہ غنیمت ہیں، بس خال خال ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: آخر اس کا کیا سبب ہے کہ آپ کے یہاں لوگ مذہب سے نہیں پھرتے، جب کہ ہمارے یہاں پھر جاتے ہیں اور یہ ایک عام بات ہوگئی ہے۔

انہوں نے اس کا جو بھی جواب دیا ہو، ہم نے یہ واقعہ سن کر کہا کہ ان سے یہ کہنا چاہیے تھا کہ اللہ نے اسلام میں ایسی کشش رکھی ہے کہ اگر صحیح اسلام سمجھ میں آجائے تو اس کے اندر داخل ہونے کے بعد کوئی باہر نہیں جاتا، لیکن اگر اسلام کی صحیح تصویر سامنے نہ آئے تو کوئی ضمانت نہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں ہماری بداخلاقی بڑی رکاوٹ بنتی ہے، ہم نے اسلام کی پیشانی کو اپنی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے بہت داغ دار کیا ہے، اگر ہم صحیح زندگی اختیار کریں اور زندگی کے میدان میں اسلام کا صحیح نمونہ پیش کریں اور سب سے بڑھ کر ہماری زندگی کے وہ راستے جو سب کے ساتھ چل رہے ہیں مثلاً: ہم سڑکوں پر ہیں، ہم ٹرینوں میں ہیں، ہم جہازوں میں ہیں، ہم کاروبار

میں ہیں، ہم آفس میں ہیں، غرض کہ ہم جہاں بھی ہیں، وہاں اسلام کی تصویر بن کر رہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں جو اخلاق سکھائے ہیں' ان پر محنت کر کے ہم آگے بڑھیں تو یاد رکھئے! یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا، فرمایا:

﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاء وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الأَرْضِ﴾

(الرعد: ١٧)

(بس جھاگ تو بے کار جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے۔)

آپ اشرف المخلوقات ہیں پھر مسلمان بھی ہیں، اگر آپ کے اندر نافعیت پیدا ہو جائے تو یاد رکھئے! پھر وہی صورت حال ہوگی جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو عطا فرمائی تھی، میں تو اکثر یہ بات کہتا ہوں کہ دو شہ پر ایسے ہیں جن سے اللہ نے مسلمانوں کو سارے عالم میں وہ طاقت عطا فرمائی کہ ان کے مقابلہ میں ابتدائی سات صدیوں تک کوئی نہ تھا اور یہ دو چیزیں ہیں: ایمان اور اخلاق!

آپ غور کیجیے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جو دعوت پیش کی تو مکہ مکرمہ میں کتنے لوگ ماننے والے تھے، لیکن جب یہ تعداد بڑھنی شروع ہوئی تو یہ بنیاد مکہ مکرمہ سے شروع ہوئی، پھر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو باقاعدہ ریاست مدینہ کا ایک پورا نظام قائم ہوا، لیکن کیا یہ تعلیم وتمدن کے نتیجہ میں ہوا؟ آپ تاریخ سے واقف ہیں اور تاریخ میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر مکہ مکرمہ میں قلم تلاش کیے جاتے تو شاید چار پانچ قلم بھی ملنا مشکل تھے، وہ بالکل ایک اَن پڑھ قوم تھی جس کے متعلق قرآن میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة: ٢)

(وہی ذات ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول

بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔)

اس وقت وہاں نہ علم تھا نہ تمدن، (Roman Empire & Persian Empire) جیسی اس وقت کی بڑی بڑی حکومتوں کا حال یہ تھا کہ وہ عربوں کو بالکل بے قیمت سمجھتے تھے، پھر آخر کون سی طاقت تھی؟ یہ بات کہاں سے پیدا ہوگئی؟ مدینہ آنے کے بعد بھی کون سا علم آ گیا اور ان کی زندگی میں کون سی بڑی تبدیلی پیدا ہوگئی اور ہن برسنے لگا؟ مکہ میں تو یہ حال تھا کہ فاقے ہوتے تھے، پھر مدینہ طیبہ آنے کے بعد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ تین تین چاند دیکھ لیتے تھے مگر ہمارے گھروں میں چولہے نہیں جلتے تھے۔

میرے بھائیو اور دوستو!

ہمیں غور کرنا چاہیے، بڑے بڑے اصحابِ فہم اور Thinkers بیٹھ کر غور کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب کیا ہے؟ کوئی کہتا ہے کہ تعلیم (Education) ہے، کوئی کہتا ہے کہ مالی پریشانیاں (Economics) ہے، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود قرآن مجید کے اندر یہ وضاحت فرمادی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب کیا ہے؟ یاد رکھئے! قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں، اگر کسی نے تاریخ کا کھلے دل سے مطالعہ کیا ہے تو یہ حقیقت بالکل سامنے آجاتی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصل سبب ''ایمان واخلاق کی کمزوری'' ہے۔ اگر یہ کمزوری دور ہوجائے تو دنیا کی ساری چیزیں ہمارے لیے ایسا جوہر ہیں کہ ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور فائدہ پہنچا سکتے ہیں، لیکن اگر یہ نہیں تو پھر تعلیم کی بھی کوئی اہمیت نہیں، اخلاق کے بغیر تعلیم ایٹم بم اور میزائل بنانا ہی سکھائے گی اور بنانے کے بعد ان کو مظلوموں پر چلانا سکھائے گی اور وہ سب کچھ کرے گی جو آج دنیا کر رہی ہے۔

میرے دوستو!

میں آپ سے صاف کہتا ہوں، سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ ہمیں اپنے ایمان اور اپنے اخلاق کو سنوارنے کی ضرورت ہے، ایمان کی طاقت کوئی معمولی طاقت نہیں ہے، اللہ کی مدد کہاں سے آئے گی؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو بس اللہ کی مدد آئے گی، اللہ کی مدد تو اصحابِ بدر کے ساتھ تھی، اللہ کی مدد تو اس وقت تھی جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایران فتح کرنے کے لیے گئے، جب دریا سامنے آیا تو دیکھا کہ دریا پار کرنے والے پل توڑ دیئے گئے ہیں، لوگوں نے سوچا کہ اب کیا کریں؟ حضرت سعد نے حضرت سلمان سے پوچھا کہ اب کیا کریں؟ انھوں نے کہا: ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ لشکر انہی صفات پر قائم ہے جن صفات پر اللہ کے نبی ﷺ نے ہماری تربیت فرمائی تھی تو ہمیں ڈرنے کی ضرورت نہیں، دریا میں گھوڑے ڈال دیجیے، انھوں نے اپنی نگاہِ بصیرت سے دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ الحمد للہ وہی ایمان ہے اور اخلاق کی بھی وہی قوت باقی ہے، پھر انھوں نے حکم دیا کہ دریا میں گھوڑے ڈال دو، جب گھوڑے دریا میں ڈالے تو یہ منظر دیکھ کر ایرانی بول اٹھے ''دیو آمدند دیو آمدند'' کہ یہ انسان نہیں جنات ہیں، تمام شہری پورا علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور بغیر محنت کے وہ پورا شہر فتح ہو گیا۔ ظاہر ہے یہ ایمان کی طاقت ہے اور آج سب سے بڑھ کر اسی طاقت کی ضرورت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عمال کو مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ یاد رکھو! اگر تمہارے اندر ایمان واخلاق میں کمی پیدا ہوئی تو تم کبھی حاوی نہیں ہو سکتے، تمہارے سامنے جو لشکر ہے وہ تم سے زیادہ ہے، اس کے پاس تم سے زیادہ اسلحہ ہے، تمہاری اصل طاقت ایمان واخلاق ہے، اگر تم اس میں کمزور ہو گئے تو تمہارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

اگر غور کیا جائے تو سچی بات یہ ہے کہ آج ہم اصل بنیادی کمزوری کا شکار ہیں اور پیام انسانیت کا مشن حقیقت میں اسی اخلاقی کمزوری کو دور کرنے کا ایک راستہ ہے،

اس کی کوشش کی جائے، اس کی محنت کی جائے، اس کے لیے ہم تھوڑی سی قربانی دیں اور کچھ خرچ بھی کریں، ماشاء اللہ یہاں کچھ لوگ یہ کام کرتے ہیں، ضرورت ہے کہ ہماری انسانی ہمدردی لوگوں کے سامنے آئے۔

ہمارے یہاں بہت سے کاموں میں ایک کام یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم میں سے کسی نے اپنے ساتھ تیل کی ایک بوتل رکھ لی، جہاں دیکھا کہ کوئی بے چارہ سواری لیے کھڑا ہے، پوچھا: کیا بات ہے؟ بتایا کہ تیل ختم ہوگیا ہے، تو اس نے فوراً وہ تیل اس کی سواری کے لیے دے دیا۔ ایسے ایسے واقعات پیش آئے کہ ان کاموں سے بعض اوقات لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں، دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی بات ہے مگر حقیقت میں بہت بڑی بات ہے، ایسے مواقع بہت ہیں، اگر ہم انہیں تلاش کریں تو دوسروں کی خدمت کر سکتے ہیں۔

اسی طرح ضرورت ہے کہ ہم لوگوں سے ملاقاتیں کریں، ان کے سامنے حقائق رکھیں، ان کو بتائیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں کیا سکھایا ہے اور ہماری کیا تاریخ ہے؟ اس سے انشاء اللہ ان کے اندر ایک تبدیلی پیدا ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جو خدمت کے رفاہی کام ہیں، ان کی حیثیت دلیل کی ہے، لیکن اس کے ساتھ دعویٰ کی بھی ضرورت ہے، اگر محض دعویٰ ہو اور دلیل نہ ہو تو اس کی قیمت نہیں اور اگر دلائل کا انبار لگا دیجیے لیکن دعویٰ نہ ہو تو آپ اپنی جگہ پر ہی رہ جائیں گے اور کام آگے نہیں بڑھے گا، ہمیں دعویٰ بھی کرنا ہے اور اس کے دلائل بھی فراہم کرنا ہیں۔ ہمیں بتانا ہے کہ ہم کیا ہیں اور اللہ نے ہمیں کیا چیز دی ہے؟

سچی بات یہ ہے کہ ہم اسلام کو صحیح طریقہ سے پیش نہیں کر سکے، اس کے نتیجہ میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں، میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، ہمارے یہاں ایک جگہ کام شروع ہوا، ایک بڑے سرکاری ہسپتال میں ہمارے چند ساتھی فروٹس وغیرہ لے کر پہنچے، وہاں دیکھا کہ کئی لوگ پوری مذہبی شناخت کے ساتھ تھے، ان کو دیکھتے ہی انہوں

نے منھ بنایا اور کہا کہ آپ یہاں کیسے آگئے؟ مسلمان تو یہ سب کام نہیں کرتے؟ اب اگر ایسے موقع پر ہم غصہ میں آجائیں تو ظاہر ہے کھیل بگڑ جائے گا، لیکن ان ساتھیوں نے جواب دیا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے، ہم اسی غلطی کی تلافی کے لیے آئے ہیں، ہم آپ کی محبت میں آئے ہیں، آپ انسان ہیں اور ہم بھی انسان، ہم اور آپ ایک ہی ملک کے رہنے والے ہیں، اس جملہ سے اس کا دل نرم ہوا اور اس نے اپنے پاس بٹھا کر باتیں بھی کیں۔ الحمدللہ اس طرح آہستہ آہستہ بڑی حد تک مزاج بننا شروع ہوگیا۔

ہمارے یہاں لکھنؤ کے بلرام پور ہاسپٹل میں ایسے بہت سے قصے پیش آئے، ایک مرتبہ بعض بچے عمامہ باندھے ہوئے فروٹس تقسیم کر رہے تھے، اتفاق سے اسی وقت ہمارے یہاں کے کیبنٹ وزیر کے فرزند بھی وہاں آئے ہوئے تھے، انہوں نے دیکھا اور پہلے ناراض ہوئے کہ یہ مُلاّ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ لیکن ہاسپٹل کے ڈائیرکٹر [۱] نے بتایا کہ یہ لوگ بڑا اچھا کام کرتے ہیں، لوگوں کو چائے بسکٹ تقسیم کرتے ہیں، مریضوں کی تیمارداری کرتے ہیں، جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، ان کو دوا لاکر دیتے ہیں۔ یہ سن کر اس نے بہت حیرت کی اور ایک پگڑی باندھے ہوئے لڑکے کو بلا کر عجیب بات کہی، وہ بولا: ہم نے یہ دیکھا ہے کہ اس طرح کے لوگ تو بس گولی بندوق چلانا جانتے ہیں، مگر آپ یہ کام کہاں سے سیکھ گئے؟ پھر اس نے یہ بات کہی کہ واقعی یہ بہت اچھا کام ہے، آپ میرا نمبر نوٹ کرلیجیے، میں بھی آپ کے ساتھ اس کام میں شریک ہوں گا۔

آپ غور کیجیے کہ یہ کام کتنا اثر انداز ہوتا ہے، یہ چند واقعات میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ورنہ ایسے پچاسوں واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے اس طرح نہ جانے کتنوں کو ہدایت عطا فرمائی اور ان کے دلوں کو بدل دیا۔

---

(۱) ان کا اس کام سے ایسا تعلق ہوگیا تھا کہ وہ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اب تو یہ کام دیکھ کر یہی جی چاہتا ہے کہ پیام انسانیت Join کرلیں، ان سے کہا گیا: آپ جوائن کریں یا نہ کریں لیکن کام تو کر ہی رہے ہیں، یہ بھی کہا گیا کہ آپ آر ایس ایس میں رہیں مگر یہ کام بھی کرتے رہیں۔

بھائیو اور دوستو!

یہ کام اس وقت کی بڑی ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس ملک میں آپ نے یہ بیڑا اٹھایا تو انشاء اللہ آپ محسوس کریں گے کہ نفع ہو رہا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس چیز کی جو پیاس یہاں ہے وہ دوسری جگہ نہیں ہے، یہاں ابھی آپ کے ساتھ جو آسانیاں ہیں وہ دوسری جگہ نہیں ہیں، ابھی اللہ نے آپ کے لیے راستے کھولے ہیں، آپ میدان میں آیئے، آپ اسلام کی تصویر پیش کیجیے، آپ اپنے اخلاق کو اس طرح دکھایئے کہ وہ کسی درجہ میں اخلاق نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک عکس نظر آئے، اگر ایسا ہو جائے تو اس وقت جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ آج دنیا اس کی ضرورت منداور پیاسی ہے کہ کوئی محبت کی بات کرے، کوئی میٹھا بول بولے۔

آپ Old Age Home میں جا کر دیکھئے کہ وہاں کس قدر اخلاق و محبت کے پیاسے لوگ ہیں، الحمد للہ وہاں بھی ہمارا کام ہوتا ہے، ہمارے نوجوان ہفتے میں ایک مرتبہ جاتے ہیں، ان سے جا کر اچھی باتیں کرتے ہیں اور کچھ معمولی چیزیں بھی کھانے کے لیے ساتھ میں لے جاتے ہیں، وہ یہ بات کہتے ہیں کہ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں، ہمارے پاس سب کچھ ہے، بس ہمارے پاس محبت کے دو بول بولنے والا کوئی نہیں ہے، آپ محبت کے دو بول بولتے ہو تو ہمیں اسی سے سکون ملتا ہے، اس لیے ضرور آیا کرو۔ اس طرح نہ جانے وہاں بھی اللہ نے کتنوں کو ہدایت عطا فرمادی۔

حاصل یہ کہ کام کرنے کے درجنوں طریقے ہیں، آدمی جب آگے بڑھ کر کام کرتا ہے تو اللہ راستے سجھاتا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ٦٩)

(اور جو بھی ہمارے لیے جان کھپائیں گے تو ہم ضرور ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے۔)

بھائیواور دوستو!

میں آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اس کام کو کیجیے، یہاں قیام کے یہ میرے آخری دن ہیں اور آپ سے یہ آخری خطاب ہے، میں آپ سے وصیت اور ایک پیغام کے طور پر یہ بات کہتا ہوں کہ آپ یہاں اس چیز کو اپنے ذہن ودماغ میں بٹھایئے کہ اللہ نے ہمیں اس ملک میں موقع دیا ہے، میں نے یہاں کئی جگہ یہ بات کہی کہ آپ کے ذریعہ سے اللہ اس پیغام کو دنیا میں پھیلا سکتا ہے، اس لیے کہ آپ دینے والے ہیں اور دنیا آپ کو دیکھتی ہے، آپ کے پاس جو طاقت ہے وہ کسی ملک کے پاس نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ جو کچھ سپلائی ہو رہا ہے، اس کے نتائج بھی آپ کے سامنے ہیں، اب ضرورت دوسری چیز کی ہے، اگر آپ اس چیز کو یہاں لوگوں کے سامنے رکھیں گے اور انہیں اندازہ ہوگا کہ اسلام کیا ہے، اس کی تعلیمات کیا ہیں، اس کے اخلاق کیا ہیں تو یقیناً لوگوں کے اندر تبدیلی پیدا ہوگی، پھر اس کے ذریعہ سے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان وہدایت کی دولت سارے عالم میں یہاں سے تقسیم کرے۔ میں نے پہلے بھی یہ بات کہی کہ اللہ کا معاملہ عجیب ہے، وہ جس کو چاہتا ہے قبول کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے' کام لیتا ہے، اگر آپ طے کریں گے تو اللہ راستے کھولے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس سفر کو قبول فرمائے، خیر کا ذریعہ بنائے، جہاں جہاں بھی میرا جانا ہوا اور اللہ نے جو باتیں بھی کہلوائیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہم سب کے لیے مفید بنائے اور زندگی میں ایک نیا حوصلہ اور ولولہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کے کام کے لیے ہمیں قبول کرے اور ایسی زندگی نصیب فرمائے جو دوسروں کے لیے نمونہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی حاضری کو خیر کا ذریعہ بنائے، اس مسجد کو بھی قبول کرے، قیامت تک اس کو تعلیم وتعلم سے آباد رکھے اور سب سے بڑھ کر نمازوں سے، مصلیوں سے، ذکر سے اور تلاوت سے آباد رکھے۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین

یونٹی اسلامک سنٹر، شکاگو
۱۴؍فروری ۲۰۲۵ء

ایک اہم اور فکر انگیز انٹرویو

س: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ج: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت! سب سے پہلے مسجد الابرار کے ذمہ دار مفتی فوزان ندوی اور یونٹی اسلامک سینٹر کے ذمہ دار مولانا اخلاص صاحب کی طرف سے آپ کا بہت بہت شکریہ۔

س: گذشتہ تیس برس میں پہلی مرتبہ ندوہ کے کسی ناظم کا یہ امریکی دورہ ہے، آپ اس دورے کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ج: امریکہ کے متعلق ہمارا جو تصور تھا، الحمدللہ ہم نے اس سے بہتر پایا، خیال یہ تھا کہ یہاں اس طرح کے بڑے ادارے اور علماء کی تعداد اور یہ فکر شاید اس درجہ نہ ہو۔ ۱۹۷۷ء میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ یہاں تشریف لائے پھر اس کے بعد ۱۹۹۲ء میں بھی ان کا دورہ ہوا، ہم نے ان کا وہ سفرنامہ پڑھا تھا اور جو باتیں سنی تھیں، اس سے ہمارے سامنے تقریباً چالیس سال پہلے کے حالات تھے، لیکن الحمدللہ یہاں آکر بڑی خوشی ہوئی کہ یہاں بڑے ادارے ہیں، فکر ہے، علماء ہیں اور اس کے لیے آگے بڑھنے کی کوششیں ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ آگے بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا اور مزید ترقی ہوگی۔

س: اس وقت مغربی ممالک میں داخلی وخارجی چیلنجز درپیش ہیں، داخلی سے مراد یہ کہ یہاں پر مسلمانوں کے درمیان مختلف مسالک اور مختلف کلچرز کے جو لوگ رہتے ہیں اور خارجی سے مراد جو غیر مسلموں کی طرف سے ہیں؟ آپ کی نظر میں

خاص طور پر مغربی ممالک میں جو علماء رہتے ہیں، ان کو کس طریقے کے مسائل اجاگر کرنا چاہیے اور کس طریقے کے مسائل کو پیش کرنا چاہیے؟

ج: اس سلسلہ میں دو باتیں بہت اہم ہیں، ایک مسئلہ ہے اپنے تحفظ کا، ملی تشخص کا، دینی تشخص کا، اگر اس کو باقی نہ رکھا گیا تو خطرہ ہے، اس لیے کہ ایسے ملکوں میں مختلف کلچرز ہیں، مختلف ازمس ہیں اور مختلف نظام ہیں، تو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں آدمی ان میں ضم نہ ہو جائے یعنی ان چیزوں کو قبول نہ کرلے، اس لیے ایک مسئلہ اپنے تحفظ کا ہے کہ ہمیں اصل دین پر قائم رہنا ہے، اس وقت بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو اسلام کی غلط ترجمانی کرتے ہیں، ان سے ہم واقف نہیں ہوتے مگر بعض ایسے بھی ہوں گے- ہم کسی پر تہمت نہیں لگاتے- جو شاید واقف ہونے کے باوجود غلط ترجمانی کریں، بہر حال! جانے یا انجانے میں کچھ بھی ہو، اس وقت یہ ایک صورت حال ہے، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن کو ان سے بچانا اور امت کو صحیح راستے پر رکھنا' یہ ہماری ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری ہر جگہ ہے۔ ظاہر ہے یہاں چونکہ اسباب ووسائل کی فراوانی ہے اور یہاں اس بات کا خطرہ زیادہ ہے، یہاں بہت سی ایسی شکلیں ہیں؛ بے حیائی اور آزادی کی کہ جو صورت یہاں اختیار کرلی جاتی ہے، اس میں اپنے آپ کو بچانا اور اس نظام کے ساتھ اپنے کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے جو ہمیں اپنے بڑوں اور سلف سے ملا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہم کسی بھی ملک کے رہنے والے ہوں، اس ملک کے برادران وطن کو ہمیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اگر ہم ان کو نظر انداز کریں گے تو ہم کہیں نہ کہیں پیچھے چلے جائیں گے اور ہمارا دائرہ تنگ ہوگا، پھر آہستہ آہستہ یہ صورت حال ہو جائے گی کہ وہاں ہمارا رہنا مشکل ہو جائے گا، تو ہمیں ان سے تعلقات بڑھانے کی ضرورت ہے، ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور ان تک دین کی حقیقت پہنچانے کی ضرورت ہے، اس وقت میڈیا نے اسلام کے بارے میں جو بدگمانیاں پھیلائی ہیں اور بہت کچھ ہمارے سماج میں بھی ایسی چیزیں نظر آجاتی ہیں کہ میڈیا کو موقع مل جاتا ہے، اس لیے ہمیں اپنے سماج کو بھی بہتر بنانا ہے اور اس کے ساتھ غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے، اس کے لیے

corner meetings، کی ضرورت dialogues کی بھی ضرورت ہوسکتی ہے، ہوسکتی ہے، انفرادی ملاقاتوں کی ضرورت ہوسکتی ہے، ہم لوگوں نے ہندوستان میں پیام انسانیت کا جو مشن شروع کیا ہے، اس کا یہی مقصد ہے کہ ایک مفاہمت پیدا ہو، ایک دوسرے کو سمجھنے کا ایک ذوق پیدا ہو اور غلط فہمیاں دور ہوں، اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسی کشش دی ہے کہ جب خالص اسلام کو کوئی دیکھے یا سمجھے گا تو اللہ اس کے دل میں بہت کچھ باتیں ڈالے گا، لیکن ہماری بداعمالیوں اور بداخلاقیوں نے بڑی رکاوٹیں کھڑی کی ہیں۔ حاصل یہ کہ یہ ایک بہت ضروری کام ہے کہ ہمارے برادران وطن جو انسانی اور وطنی بھائی ہیں، ان تک ہم پہنچیں اور ان کے سامنے صحیح بات رکھیں۔

س: امریکہ اور خاص طور سے مغربی ممالک میں دو قسم کے لوگ رہتے ہیں: ایک وہ ہیں جن کا مزاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو لے کر چلا جائے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کو Involve کرنے سے فکری بے راہ روی ہوسکتی ہے، دوسرا طبقہ وہ ہے جو بہت زیادہ ان کے اندر Involve ہے یعنی وہ آخری حد تک ان کے اندر ضم ہو گئے ہیں۔ آپ کا اس سلسلہ میں پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے بڑا تجربہ ہے، ایسی صورت حال میں ان کے لیے کیا guidelines ہوسکتی ہیں؟

ج: ہم نے دو باتیں عرض کیں: پہلی بات اپنا تحفظ ہے، ملی تشخص اور دینی تشخص کی حفاظت ہے۔ دوسری بات ہم نے یہ کہی کہ ہمیں دوسروں کو نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں بہت کچھ بھگتنا پڑے گا۔ افراط وتفریط صحیح نہیں ہے، دونوں باتیں نامناسب ہیں، ظاہر ہے ہم اپنوں میں کام کریں اور کچھ لوگ اس میں مشغول ہیں، ان سے ہمیں بہت زیادہ تعارض کرنے کی بھی ضرورت نہیں، وہ ایک بڑا کام کررہے ہیں، اگر ہم اپنوں کو چھوڑ دیں گے تو نہ جانے کیسی بے راہ روی پیدا ہوجائے گی، لیکن ہم غیروں کو نظر انداز نہیں کرسکتے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم ان کی چیزوں کو اختیار کرلیں، پیام انسانیت کا جو کام ہم کرتے ہیں، اس میں ہم کھل کر کہتے ہیں کہ انسانی بنیادوں پر ہمیں یہ روابط استوار کرنے ہیں نہ کہ مذہبی بنیادوں پر، اگر آپ ان کے

سامنے کوئی مذہبی بنیاد رکھیں گے تو وہ اپنے مذہب کی بات کریں گے، یہاں تک کہ وحدتِ ادیان تک بات جائے گی کہ یہ بھی ٹھیک ہے اور وہ بھی ٹھیک ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ ٹھیک تو بس ایک ہی چیز ہے، اس لیے جو چیز جوڑنے والی ہے، بس وہی بات کریں، ہم نے ان کے سامنے کہا کہ اگر ہم مذہبی بات کریں گے تو اس سے انتشار کا خدشہ ہے، ہم وہ بات کریں جس سے ہمارے اندر ایک تعلق پیدا ہو اور وہ بات صرف انسانیت کی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ یہاں بھی اسی چیز کی ضرورت ہے کہ ہم مذہبی چیزوں کو الگ رکھیں، اپنے پورے ملی تشخص کے ساتھ اور بنیادوں کے ساتھ رہیں، حضرت مولانا کہتے تھے کہ ہم تہجد سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے، ہم تو اس سے بھی دست بردار نہیں ہو سکتے کہ اگر ہم پر اصرار کیا جائے کہ ہم ٹخنوں کے نیچے پائجامہ پہنیں تو ہم اس کے لیے بھی لڑیں گے، معلوم ہوا وہ ملی تشخص اپنی جگہ پر اور انسانی بنیادوں پر ان سے قرب اختیار کرنا اپنی جگہ پر ہے، ہمیں ان دونوں کو الگ الگ لے کر چلنا ہے، اس سے قرب ہوگا اور اس سے اصل مقصد بھی حاصل ہوگا، وہ ہمیں دیکھیں گے اور اسلام میں اللہ نے ایک اثر رکھا ہے کہ کچھ نہ کچھ اس کا بڑا فائدہ انشاء اللہ ہوگا۔

س: آخری سوال خاص طور پر نوجوان حضرات کے تعلق سے ہے، آج کل نوجوان زیادہ تر سوشل میڈیا سے علماء کے بیانات سنتے ہیں، بجائے اس کے کہ ان کی صحبت اختیار کریں، مساجد کے اندر بھی یہ مزاج بہت عام ہو رہا ہے کہ براہِ راست علماء کو سننے کا ماحول نہیں ہے بلکہ سب کچھ اسکرین پر ہو رہا ہے، ایسے حالات میں نیک صحبت کی اہمیت وضرورت پر آپ کیا فرماتے ہیں؟

ج: بلاشبہ یہ بات بہت نقصان پہنچا رہی ہے، اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ ہم اچھے برے کا فرق نہیں جانتے، ہم یہ نہیں جانتے کہ بات کہنے والا کون ہے؟ وہ عالم ہے یا نہیں؟ وہ دین کا صحیح فہم رکھتا ہے یا نہیں؟ میں اس کی مثال دیتا ہوں اور یہ بات میں اکثر تقریروں میں کہتا رہتا ہوں کہ ہم لوگ سڑک پر گاڑی دوڑاتے ہیں، اگر اچھی سڑک مل جائے تو خوب تیز گاڑی دوڑاتے ہیں، ہم کو یہ نہیں پتہ کہ منزل کیا ہے؟ ہمارا

اصل مقصود منزل ہے، سڑک مقصود نہیں ہے، آج وہی حال ہے کہ آج لوگوں نے سوشل میڈیا کے ذریعہ سے اچھی سڑکوں پر گاڑیاں دوڑانا شروع کردی ہیں، اس لیے ہمیں اپنی منزل کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اس سے بڑا نقصان ہورہا ہے، دین کا جو صحیح فہم پیدا ہوتا ہے، مزاج بنتا ہے اور تربیت ہوتی ہے، سچی بات یہ ہے کہ وہ صحبت ہی سے ہوتی ہے، علماء ومشائخ جو صحیح فکر کے حامل ہوں اور توازن رکھنے والے ہوں، ان کے ساتھ آدمی رہے گا تو وہ چیزیں قبول کرے گا، اس سے فائدہ ہوگا اور صحبت کا فائدہ تو مسلَّم ہے اور ہر ایک اس کو تسلیم کرتا ہے، اس کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی، جیسی اچھی صحبت آدمی کو ملے گی، ویسا ہی اس پر رنگ چڑھے گا۔

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ امریکہ تشریف لائے، امید ہے کہ آپ انشاء اللہ دوبارہ بھی ضرور تشریف لائیں گے۔

ج: یہ آپ حضرات کی کوششوں اور محبتوں کا نتیجہ ہے کہ الحمدللہ یہ سفر ہوا، اللہ تعالیٰ اس کو خیر کا ذریعہ فرمائے اور آپ لوگوں کو اللہ جزائے خیر دے، خاص طور پر مفتی فوزان صاحب اور مولانا اخلاص صاحب جن کی فکر وکوشش سے یہ سفر ہوا، میں ان سب کا شکر گذار ہوں۔ میں نے اس پورے دورے میں دو تین باتیں بہت طاقت کے ساتھ کہیں، ایک یہ کہ یہ ملک پوری دنیا کو سب کچھ دیتا ہے، کاش! یہ ملک ہدایت دینے والا بھی بن جائے، ایمان واخلاق کی بلندی یہاں سے تقسیم ہو اور وہ جب ہی ہوگی جب یہاں کے مسلمان اس کی فکر کریں، ایک مزاج بنائیں اور ایک ماحول بنائیں۔ دوسری بات جو میں نے ہر جگہ کہی وہ یہ کہ یہاں ضم ہونے خدشہ بہت ہے، خطرہ ہے کہ کہیں کوئی نیا اسلام پیدا نہ ہو جائے مثلاً: امریکی اسلام، یہ بھی ایک تصور ہے، بعض مرتبہ جب آزادی ہوتی ہے اور آدمی آگے بڑھتا ہے تو بہت آگے تک چلا جاتا ہے۔ اس لیے ابھی بھی میں نے یہ بات عرض کی کہ اپنے پورے تحفظ کے ساتھ اور تشخص کے ساتھ ہمیں رہنا ہے اور اس کے ساتھ ہمیں آگے بڑھنا ہے اور اپنے اخلاق سے بھی ایک نمونہ پیش کرنا ہے، انشاء اللہ اس سے بہت کچھ تبدیلی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

جزاك الله خيراً! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ بارك الله فيكم!